

خواتین کے مسائل

The e-Book of Ahlesunnat Network

مصنف

علامہ سید شاہ نواز الحق قادری

باب اول : عقائد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ مَّصْطَفٰی اللّٰهِ

سوال: اللہ تعالیٰ، انبیاء کرام، سید الانبیاء ﷺ، ملائکہ، آسمانی کتب اور آخرت کے متعلق بنیادی عقائد بیان فرمائیے۔

جواب: ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کیا جائے اور تمام ضروریات دین کی تصدیق کی جائے۔

ومنین اسلام کی کسی مشہور و معلوم بات کا انکار کرنا یا اس میں شک کرنا یا کسی شرعی حکم کا مذاق اڑانا یا کسی سنت کو ہلکا جاننا یا مذاق میں کوئی کفریہ جملہ بولنا کفر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی حفاظت اور شریعت کی پیروی دین کا علم حاصل کیے بغیر ممکن نہیں اسی لیے آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا: ”علم دین سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے“۔ (مسند امام اعظم)

اب اختصار کے ساتھ سوال میں مذکور بنیادی عقائد تحریر کیے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان:

اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہی عبادت کے لائق ہے، نہ تو وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی اس کے

کوئی اولاد ہے، اسے کسی نے پیدا نہیں کیا، وہ خود اپنے آپ سے موجود ہے اور اسی نے سب کو پیدا کیا ہے، وہ خود بھی اور اس کی صفات بھی ازلی وابدی ہیں یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ بے نیاز اور غنی ہے۔ وہ جسے چاہے زندگی دے جسے چاہے موت دے، جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے، وہ کسی کا محتاج نہیں سب اس کے محتاج ہیں، وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا، وہ ہر ظاہر اور پوشیدہ چیز کو جانتا ہے۔ اس کے علم کی کوئی انتہا نہیں، وہ سب کچھ ازل سے جانتا ہے، جیسا ہونے والا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا وہ اس نے لکھ لیا۔ یوں سمجھ لیجیے کہ جیسا ہم اپنے ارادے اور اختیار سے کرنے والے تھے ویسا اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا یعنی اس کے لکھ دینے نے کسی کو مجبور نہیں کر دیا ورنہ جزا و سزا کا فلسفہ بے معنی ہو کر رہ جاتا، یہی عقیدہ تقدیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں کثیر حکمتیں ہوتی ہیں خواہ ہماری سمجھ میں آئیں

یا نہیں۔ وہ جس کا رزق چاہے وسیع فرماتا ہے اور جس کا رزق چاہے تنگ

کر دیتا ہے، ایسا کرنے میں اس کی بیشمار حکمتیں ہیں، کبھی وہ رزق کی تنگی سے آزماتا ہے اور کبھی رزق کی کثرت سے۔ وہ استطاعت سے زیادہ کسی کو آزمائش میں نہیں ڈالتا اور یہ اس کا فضل و کرم ہے کہ مسلمانوں کو تکالیف پر بھی اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ اچھے کام کو خدا کے فضل و کرم کی طرف منسوب کرنا چاہیے اور برے کاموں کو شامت نفس سمجھنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اس کی شان کے مطابق ہیں، وہ دیکھنے کے لیے آنکھ، سننے کے لیے کان اور ارادہ کرنے کے لیے ذہن کا محتاج نہیں کیونکہ وہ جسم سے پاک ہے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے مگر ہر عیب اس کے لیے محال و ناممکن ہے کیونکہ وہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔

نبوت و رسالت پر ایمان:

اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے لوگوں کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ سب انبیاء کرام علیہم السلام مرد تھے، نہ کوئی جن نبی ہوا اور نہ کوئی عورت۔ انبیاء کرام وہ اعلیٰ شان والے بشر ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی اور انہیں معجزات عطا فرمائے۔ جس طرح ہمیں اپنی اختیاری حرکات پر قدرت ہوتی ہے اسی طرح انبیاء کرام کے معجزات

ان کے اختیار میں ہوتے ہیں۔

انبیاء کرام پیدائشی نبی ہوتے ہیں البتہ نبوت کا اعلان وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں۔ یہ ایسی کامل عقل والے ہوتے ہیں کہ دوسروں کی عقل

ان کی عقل کے کروڑوں حصے تک نہیں پہنچ سکتی۔ انبیاء کرام کو اپنی مثل بشر سمجھنا گمراہی ہے قرآن کریم میں یہ کافروں کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ نبیوں کو محض اپنی مثل بشر جانتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نفوس قدسیہ بشری شکل و صورت ہی میں دنیا میں جلوہ گر ہوتے ہیں لیکن ان کے جسمانی و روحانی کمالات درجہ کمال پر ہوتے ہیں، ان کی سماعت

وبصارت اور طاقت و قدرت عام انسانوں سے نہایت اعلیٰ وارفع ہوتی ہے، اس پر قرآن وحدیث گواہ ہیں۔

انبیاء کرام گناہوں اور خطاؤں سے معصوم ہوتے ہیں اعلان نبوت سے قبل بھی اور بعد بھی ان سے گناہ ہونا شرعاً ناممکن ہے۔ قرآن حکیم میں انبیاء کرام کے بارے میں جن امور کا ذکر ہے انکی حقیقت گناہ نہیں، وہ یا تو نسیان ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا گندم کا دانہ کھالینا اور یا وہ لغزش ہیں جیسے حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق بیان ہوا۔ انبیاء علیہم السلام کے حق میں بھول اور لغزش دونوں جائز ہیں لیکن سید الانبیاء ﷺ کے حق میں یہ دونوں جائز نہیں کیونکہ آپ کا مرتبہ تمام انبیاء کرام سے بلند و بالا ہے۔

انبیاء کرام کی تعداد مقرر کرنا جائز نہیں بس یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ سب

انبیاء پر ہمارا ایمان ہے جن کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار بیان کی جاتی ہے۔ انبیاء کرام تمام مخلوق سے افضل ہیں اور ان میں بعض کو بعض پر

فضیلت حاصل ہے۔ جس نبی پر کتاب نازل ہو اسے رسول کہتے ہیں۔ سب نبیوں اور رسولوں میں ہمارے آقا ﷺ سب سے افضل اور آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہوا اور نہ ہوگا، ختم نبوت کا منکر کافر ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اپنے مزارات میں اسی طرح حقیقی طور پر زندہ ہیں جیسے پہلے دنیا میں تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ان پر ایک آن کے لیے موت طاری ہوئی اور پھر وہ زندہ کر دیے گئے، وہ کھاتے پیتے ہیں، جہان چاہتے ہیں آتے جاتے ہیں اور تصرف فرماتے ہیں۔

آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، ”بیشک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کر دیا، پس اللہ کے نبی زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں۔“ (ابن ماجہ)

تمام انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا اور اپنے حبیب ﷺ کو مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ یعنی کائنات میں جو کچھ ہو چکا اور جو آئندہ ہوگا، ان سب کا علم عطا فرمایا۔ یہ قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ جن آیات میں علم غیب کی نفی کی گئی ہے ان سے مراد اس علم کی نفی ہے جو ذاتی یعنی بغیر خدا کے بتائے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی عطا سے انبیاء کرام کے لیے علم غیب ماننا ضروریات دین میں سے ہے۔ مطلق علم غیب کا منکر کافر ہے کہ سرے سے نبوت ہی کا منکر ہے۔ اولیاء عظام کو بھی انبیاء کرام کے وسیلے سے علم غیب عطا ہی ہوتا ہے۔

سب انبیاء کرام کی تعظیم فرض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ”اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بولو۔“ (الفتح: ۹، کنز الایمان)

ثابت ہوا کہ ایمان مقدم ہے یعنی ایمان کے بغیر تعظیم و توقیر قبول نہ ہوگی اور حضور ﷺ کی تعظیم کے بغیر عبادات بیکار ہوگی۔ جو شخص نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرے یا آپ کے لیے عیب بتائے یا نقص تلاش کرے یا وہ عوارض بشری جو آپ کے لیے جائز تھے انکی وجہ سے آپ کی تحقیر کرے یا آپ کی شان گھلانے کی کوشش کرے، وہ کافر ہے اور جو اسکے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

محبوب خدا ﷺ کی محبت ایمان کی جان اور نجات کا ذریعہ ہے۔ آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمان ہے، ”تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اسکے والد، اسکی اولاد اور سب انسانوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔“ (بخاری، مسلم)

آپ نے اپنے ایک محبت کرنے والے صحابی کو خوشخبری دی، اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحَبَّیْتَ ”تم جن سے محبت کرتے ہو، قیامت میں انہی کے ساتھ ہو گے۔“ (بخاری) دوسری حدیث میں ارشاد ہوا، اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ”جو جس سے محبت کرتا ہے قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا۔“ (بخاری، مسلم)

جس طرح روح اپنے بدن کے ہر جزو میں موجود ہوتی ہے اسی طرح روح مصطفیٰ ﷺ کی حقیقت کائنات کبھر ذرے میں جاری و ساری ہے (اشعۃ اللمعات) جس کی بنا پر جان کائنات ﷺ تمام کائنات کو اپنی ہتھیلی مبارک کی طرح ملاحظہ فرماتے ہیں (طبرانی)، دور و نزدیک کی آوازیں یکساں سنتے ہیں، اپنی امت کے اعمال، احوال اور انکی دلی کیفیات بھی جانتے ہیں۔ (مواہب الدنیہ، تفسیر عزیزی) نیز اپنی روحانیت و نورانیت کے ساتھ بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہو سکتے ہیں، حضور ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کا یہی مفہوم ہے۔

مالک کل ختم الرسل ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور نائب مطلق ہیں۔ رب تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے تمام جہان آقا و مولیٰ ﷺ کا محکوم اور تابع فرمان ہے۔ آپ کو شریعت کا مالک و مختار بنایا گیا، جس پر جو چاہیں حلال فرمائیں اور جو چاہیں حرام فرمائیں۔ آپ کی اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے جو آپ کے حکم سے راضی نہ ہوا، گویا وہ رسالت کا منکر ہے۔

سرکارِ دو عالم نور مجسم ﷺ سب مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہیں، جس کو جو بھی اوصاف و کمالات دیے گئے وہ سب حضور ﷺ کو عطا فرمائے گئے بلکہ آپ کو ایسے کمالات بھی عطا فرمائے گئے جو کسی کو نہیں دیے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کو جو بھی ملا ہے وہ آپ ﷺ ہی کے طفیل بلکہ آپ کے دستِ اقدس سے ملا ہے۔

حضور ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ”بیشک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے۔“ (بخاری، مسلم)

کثیر احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بارگاہ نبوی میں مشکل کشائی کے لیے فریاد کرتے، آپ کو قضائے حاجات کے لیے وسیلہ بناتے اور آپ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے قدرت و اختیار سے انکی حاجت روائی اور مشکل کشائی فرماتے۔ اس موضوع پر فقیر کی کتاب ”ضیاء الہدیث“ کے پہلے باب میں متعدد احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔

آقائے دو جہاں رحمۃ اللہ علیہ کو جو خصائص اور کمالات عطا فرمائے گئے، اُس بحر بیکراں میں سے قرآن کریم کی روشنی میں دوسو (۲۰۰) خصائص اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں بھی دوسو (۲۰۰) خصائص، فقیر نے اپنی کتاب ”جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم“ میں تحریر کیے ہیں، اہل ذوق و محبت اس ایمان افروز کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

فرشتوں پر ایمان:

فرشتے نور سے پیدا کیے گئے، وہ نہ مرد ہیں نہ عورت۔ وہ مومن، متقی

اور عبادت گزار ہیں۔ فرشتے کھانے پینے سے پاک اور ہر قسم کی خطا و گناہ سے معصوم ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت دی ہے کہ جو شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ قوت عطا فرمائی ہے اور بہت سے کام انکے سپرد کیے ہیں۔

کسی کے ذمہ جان نکالنا، کسی کے ذمہ بارش برسانا، کسی کے ذمہ رزق دینا، کسی کے ذمہ انسانی جسم میں تصرف کرنا، کسی کے ذمہ نامہ اعمال لکھنا، کسی کے ذمہ بارگاہ رسالت میں حاضری، کسی کے ذمہ مجالس ذکر میں شرکت وغیرہ بیشمار کام ملائکہ انجام دیتے ہیں۔

چار فرشتے سب ملائکہ میں افضل ہیں۔ حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام۔

کسی فرشتے کے ساتھ ادنیٰ سی گستاخی کفر ہے۔ جاہل لوگ اپنے کسی دشمن یا سختی کرنے والے کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ ملک الموت یا عزرائیل آ گیا، یہ کہنا کفر کے قریب ہے۔ فرشتوں کے وجود کا انکار کرنا یا یہ کہنا کہ فرشتہ نیکی کی قوت کو کہتے ہیں، یہ نظریات کفر ہیں۔

آسمانی کتب پر ایمان:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت، حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اور بعض نبیوں پر صحیفے نازل فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں نازل فرمائیں سب حق ہیں البتہ وہ اب اصل حالت میں موجود نہیں ہیں، پچھلی امتوں نے ان میں تحریف کر دی اور احکام الہی کو تبدیل کر دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بے مثل رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بے مثل و بے مثال کتاب قرآن کریم نازل فرمائی اور اسکی حفاظت اپنے ذمہ لی۔

سب جن اور انسان مل کر کوشش کریں تب بھی اس میں ایک حرف کی کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اسکی مثل کوئی آیت بنائی جاسکتی ہے۔ یہ ایک عظیم معجزہ ہے۔ جو یہ کہے کہ قرآن کریم میں کسی نے کچھ گھٹا دیا، یا بڑھا دیا، یا اصلی قرآن غائب امام کے پاس ہے وہ کافر ہے۔ یہی اصل قرآن ہے اور اس پر ایمان لانا ہر شخص پر لازم ہے۔

آخرت پر ایمان:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر شخص کی زندگی مقرر ہے، نہ اسمیں کمی ہو سکتی ہے اور نہ زیادتی۔ جب زندگی کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو حضرت عزرائیل علیہ السلام روح قبض کر لیتے ہیں اس کا نام موت ہے۔ قبر میں عذاب یا نعمتیں ملنا حق ہے اور یہ روح و جسم دونوں کے لیے ہے، اسلیے موت کے بعد بھی روحوں کا تعلق جسم سے قائم رہتا ہے۔ جو انکی قبر پر آئے وہ اسے دیکھتے، پہچانتے اور اسکا کلام سنتے اور جواب دیتے ہیں۔

اگر جسم جل جائے یا گل جائے یا خاک ہو جائے پھر بھی اسکے اجزائے اصلیہ قیامت تک باقی رہتے ہیں اور ان اجزا اور روح کا باہمی تعلق ہمیشہ قائم رہتا ہے اور یہ دونوں عذاب و ثواب سے آگاہ و متاثر ہوتے ہیں۔

پیشک ایک دن زمین و آسمان، جن و انسان، فرشتے اور دیگر تمام مخلوق فنا ہو جائے گی اس کا نام قیامت ہے، اسکا واقع ہونا حق ہے اور اسکا منکر کافر ہے۔

دنیا میں جو روح جس جسم کے ساتھ تھی اسکا حشر اسی جسم میں ہوگا، اللہ تعالیٰ اس جسم کے تمام اجزا کو جمع فرما کر قیامت میں پھر زندہ کرے گا اور سب کے اعمال کا حساب ہوگا۔ مسلمان ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور کافر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کئی قسم کی ہے:-

شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ سے تمام اہل محشر کو حساب کتاب کے انتظار سے نجات ملے گی۔ آپکی شفاعت سے بہت سے لوگ بلا حساب جنت میں داخل ہونگے، بہت سے مستحق جہنم، جہنم میں جانے سے بچ جائیں گے، بہت سے جہنم سے نکال لیے جائیں گے، بہت سے اہل جنت کے درجات بلند کیے جائیں گے۔

شفاعت کا منکر گمراہ اور بد مذہب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب انبیاء کرام اپنی امتوں کی شفاعت فرمائیں گے پھر اولیاء کرام، شہداء، علماء حق، حفاظ، حجاج اور ہر دینی منصب

پر فائز مسلمان اپنے اپنے متعلقین کی شفاعت کریں گے یہاں تک کہ فوت شدہ نابالغ بچے اپنے ماں باپ کی شفاعت کریں گے۔

اسلام کے بنیادی عقائد تو حید، رسالت اور آخرت کی تفصیل جاننے کے لیے صدر الشریعہ حضرت علامہ مولانا امجد علی اعظمی قادری رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم الشان تصنیف ”یہاں شریعت“ یا فقیر کی کتاب ”اسلامی عقائد“ ملاحظہ فرمائیں۔

☆ محبوبانِ خدا سے استعانت ☆

سوال: کیا محبوبانِ خدا سے انکے وصال کے بعد مدد مانگنا جائز ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب: استعانت کی دو قسمیں ہیں: حقیقی اور مجازی۔ حقیقی استعانت یہ ہے کہ کسی کو قادر بالذات، مالک مستقل اور حقیقی مددگار سمجھ کر اس سے

ہے کہ کسی کو قادر بالذات، مالک مستقل اور حقیقی مددگار سمجھ کر اس سے مدد مانگی جائے یعنی اسکے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کے بغیر خود اپنی ذات سے مدد کرنے کی قدرت رکھتا ہے، غیر خدا کے لیے ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے اور کوئی مسلمان بھی انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام کے متعلق ایسا عقیدہ نہیں رکھتا۔

مجازی استعانت یہ ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا مظہر، حصول فیض کا ذریعہ اور قضائے حاجات کا وسیلہ جان کر اس سے مدد مانگی جائے اور یہ قطعاً حق ہے اور قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

قرآن کریم سے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو مددگار بنانے کی دعا کی جو قبول ہوئی۔ (طہ: ۳۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے مدد مانگی۔ (انف: ۱۴)

ایمان والوں کو صبر اور نماز سے مدد مانگنے کا حکم دیا گیا۔ (البقرہ: ۱۵۳)

حضرت ذوالقرنین نے لوگوں سے مدد مانگی۔ (الکہف: ۹۵)

نیک کاموں میں مسلمانوں کو مددگار بننے کا حکم دیا گیا۔ (المائدہ: ۲)

ایک مقام پر صالحین اور فرشتوں کا مددگار ہونا یوں بیان فرمایا گیا،

”بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے، اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں۔“ (التحریم: ۴)

ایک جگہ اللہ تعالیٰ، حضور ﷺ اور صالحین کا مددگار ہونا یوں بیان ہوا،

”بیشک تمہارے مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں۔“ (المائدہ: ۵۵)

ان دلائل وبراہین سے ثابت ہوا کہ حقیقی مددگار و مشکل کشا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسکی عطا سے اسکے محبوب بندے بھی مددگار ہوتے ہیں۔

جب ہم آقا و مولیٰ ﷺ یا کسی صحابی (رضی اللہ عنہ) یا کسی ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) سے مدد مانگتے ہیں تو ہمارا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مدد کرنے کی قدرت عطا فرمائی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اسکی مرضی سے ہماری مدد کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو یہ ہماری مدد نہیں کر سکتے۔ پس محبوبانِ خدا کو مددگار و متصرف سمجھنا اور ان سے مدد مانگنا ہرگز شرک نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا مددگار و مشکل کشا ہونا بالذات اور مخلوق سے بے نیاز وغنی ہو کر ہے جبکہ انبیاء کرام، اولیاء عظام اور مومنوں کا مددگار و مشکل کشا ہونا اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے محتاج ہیں نیز انکا تصرف و اختیار اور انکی طاقت و قدرت اذن الہی کے تابع ہے۔

امام المحدثین شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہمارے نزدیک اولیاء اللہ سے انکے وصال کے بعد مدد مانگنے کا مفہوم یہ ہے کہ دعا مانگنے والا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور اس مقرب بندے کو وسیلہ بناتا ہے اور یوں عرض کرتا ہے، اے اللہ! اپنے اس نیک بندے کی برکت سے جس پر تو نے لطف و کرم فرمایا ہے، میری حاجت کو پورا فرما کیونکہ تو ہی عطا فرمانے والا اور کریم ہے۔ یا حاجت مند اس مقرب بندے کو پکارتا ہے کہ اے اللہ کے نیک بندے اور اسکے ولی! میری شفاعت کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ میری حاجت پوری ہو جائے۔

اگر یہ معنی شرک ہے جیسا کہ منکر گمان کرتا ہے تو پھر چاہیے کہ اولیاء سے انکی ظاہری زندگی میں بھی توسل اور دعا کی درخواست کرنا منع ہو جبکہ یہ بالاتفاق مستحب و مستحسن اور

دین میں رائج ہے۔ ارواحِ کاملین سے مدد مانگنے اور فائدہ حاصل کرنے کے بارے میں اہل کشف سے جو واقعات مروی ہیں وہ گنتی سے باہر ہیں، انکے رسائل و کتب میں مذکور اور مشہور ہیں، یہاں انکے ذکر کی ضرورت نہیں۔ شاید متعصب منکر کے لیے ان کے کلمات مفید بھی نہ ہوں، خدا ہمیں اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔ ہم نے اس جگہ طویل کلام منکروں کی ناک خاک آلود کرنے کے لیے کیا ہے کیونکہ ہمارے زمانے میں چند لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو ان اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کے منکر ہیں جو بعد وصال اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں لیکن ان لوگوں کو انکی زندگی اور خوشحالی کا شعور نہیں ہے۔ یہ لوگ اولیاء اللہ کی طرف توجہ کرنے والوں کو مشرک اور بت پرست سمجھتے ہیں اور جو منہ میں آئے بک دیتے ہیں۔

(اشعۃ المعانی جلد سوم ص ۴۰۱، فتاویٰ عزیز یہ جلد دوم ص ۱۰۸)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کا وصال ۱۰۵۲ھ میں ہوا، اس سے ثابت ہوا کہ ایک ہزار سال تک امت مسلمہ میں محبوبانِ خدا سے مدد مانگنے اور انکا وسیلہ اختیار کرنے کے منکر پیدا نہیں ہوئے تھے، یہ بری بدعت گیارہویں صدی ہجری میں شروع ہوئی۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ ”برکات الامداد لہلہ الاستمداد“ میں فرماتے ہیں،

”اس استعانت ہی کو دیکھیے کہ جس معنی پر غیر خدا سے شرک ہے یعنی قادر بالذات و مالک مستقل جان کر مدد مانگنا، ان معنوں میں ہی اگر بیماری کے علاج میں طبیب یا دوا

سے استمداد کرے یا فقیری کی حاجت میں امیر یا بادشاہ کے پاس جائے یا انصاف کرانے کو کسی کچہری میں مقدمہ لڑائے بلکہ کسی سے روزمرہ کے معمولی کاموں میں مدد لے

جو یقیناً تمام وہابی حضرات روزانہ اپنی عورتوں، بچوں، نوکروں سے کرتے کراتے رہتے ہیں مثلاً یہ کہنا کہ فلاں چیز اٹھا دے یا کھانا پکا دے، سب قطعی شرک ہے جب کہ یہ

جانا کہ اس کام کے کر دینے پر خود انہیں اپنی ذات سے بے عطاء الٰہی قدرت ہے تو صریح کفر و شرک میں کیا شبہ رہا؟ اور جس معنی پر ان سب سے استغانت شرک نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد کا مظہر، واسطہ، وسیلہ اور سبب جان کر؛ تو انہی معنوں میں انبیاء کرام و اولیاء عظام سے مدد مانگنا شرک کیونکر ہوگا؟“

اس اعتراض کے جواب میں کہ زندوں سے مدد مانگنا جائز اور بعد وصال مدد مانگنا جائز ہے، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں،
 ”جو شرک ہے وہ جس کے ساتھ کیا جائے گا شرک ہوگا اور اگر ایک کے لیے شرک نہیں تو وہ کسی کے لیے شرک نہیں ہو سکتا۔ کیا اللہ کے شریک مردے نہیں ہو سکتے زندے ہو سکتے ہیں؟ دور کے نہیں ہو سکتے پاس کے ہو سکتے ہیں؟ انبیاء نہیں ہو سکتے حکیم ہو سکتے ہیں؟ انسان نہیں ہو سکتے فرشتے ہو سکتے ہیں؟ حاشا للہ! اللہ عز و جل کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔“ (برکات الامداد لاهل الاستمداد)

حق و انصاف کی راہ پر چلنے والوں کے لیے انشاء اللہ یہ دلائل بھی کافی ہونگے۔ اس موضوع پر تفصیلی اور مدلل گفتگو فقیر کی کتاب ”تصوف و طریقت“ کے باب نہم میں ملاحظہ فرمائیں۔

باب دوم: ارکان اسلام

☆ نماز کی اہمیت اور عورتوں کی نماز ☆

سوال: قرآن وحدیث کی روشنی میں نماز کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائیے نیز عورتوں کی نماز کن معاملات میں مردوں سے مختلف ہے؟
 جواب: ایمان اور عقائد کی درستگی کے بعد تمام فرائض میں سب سے اہم فریضہ نماز ہے۔

رشاد باری تعالیٰ ہوا، ”اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔“ (البقرہ: ۴۳، کنز الایمان)
 دوسری جگہ فرمایا، ”نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز (عصر) کی۔“ (البقرہ: ۲۳۸، کنز الایمان)

ایک جگہ بے نمازیوں کے لیے یوں وعید فرمائی گئی، ”تو ان کے بعد اکی جگہ وہ ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں گوائیں (یعنی ضائع کیں) اور اپنی خواہشوں کے پیچھے ہوئے تو عنقریب وہ دوزخ میں غشی کا جنگل پائیں گے۔“ (مریم: ۵۹، کنز الایمان)

غشی دوزخ کے نچلے حصے میں ایک کنواں ہے جس میں اہل دوزخ کی پیپ گرتی ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ جہنم کی سب سے زیادہ گرم اور گہری وادی ہے اور انہیں ایک کنواں ہے جب جہنم کی آگ بجھنے پر آتی ہے تو اللہ عز و جل اس کنوئیں کو کھول دیتا ہے جس سے وہ بدستور بھڑکنے لگتی ہے۔ یہ کنواں بے نمازیوں، زانیوں، شرابیوں، سود خوروں اور والدین کو ایذا دینے والوں کے لیے ہے۔

صدر الشریعہ علامہ مولانا امجد علی اعظمی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں،

نماز کو مطلقاً چھوڑ دینا تو سخت ہولناک بات ہے نماز قضا کرنے والوں کے لیے رب تعالیٰ فرماتا ہے، خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، وقت گزار کر پڑھنے اٹھتے ہیں۔ (الماعون: ۴) جہنم میں ایک وادی ہے جس کی سختی سے جہنم بھی پناہ مانگتا ہے اس کا نام ویل ہے قصداً نماز قضا کرنے والے اسکے مستحق ہیں۔ (بہار شریعت حصہ سوم)

آقا و مولیٰ ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا، اگر کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اسکے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا؟ عرض کی، بالکل نہیں۔ ارشاد فرمایا، یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے کہ انکی برکت سے اللہ تعالیٰ سب گناہ مٹا دیتا ہے۔ (بخاری، مسلم) یہاں گناہ سے مراد صغیرہ گناہ ہیں کبیرہ گناہ سچی توبہ سے اور حقوق العباد ادا کرنے سے معاف ہوتے ہیں۔

آقائے دو جہاں ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، بندے اور کفر کے درمیان فرق نماز چھوڑنا ہے۔ (مسلم) دوسری جگہ فرمایا، نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے دین کو ڈھا دیا۔ (بہار شریعت)

ایک حدیث پاک میں پابندی سے سب نمازیں خشوع و خضوع سے ادا کرنے والوں کو مغفرت کی خوشخبری دی گئی۔ (ابوداؤد)

ان آیات کریمہ و احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان بالغ مرد و عورت پر پانچوں وقت نماز کی پابندی لازم ہے نیز تمام حقوق و آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے خشوع و خضوع سے نماز ادا کرنی چاہیے۔

نماز کی ایک اہم شرط طہارت ہے۔ بعض خواتین نیل پاش لگاتی ہیں جس کے باعث انکا وضو نہیں ہو پاتا یونہی غسل یا تیمم کرنے سے بھی انہیں پاکی حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ ناخنوں پر پاش کی تہہ جم جاتی ہے اس لیے نیل پاش دور کرنا اور ایسی چیزوں سے بچتے رہنا طہارت کے حصول کے لیے بحد ضروری ہے البتہ مہندی کا رنگ جائز ہے۔

خواتین وضو یا غسل کے وقت اس بات کی احتیاط رکھیں کہ ہر عضو پر پانی بہہ جائے۔ لہذا انگوٹھی، چھلے، ہتھ اور دیگر زیورات ہٹا کر انکی جگہ پانی پہنچانا اور تیمم کی صورت میں ہاتھ پھیرنا ضروری ہے۔

اب ہم عورتوں کی نماز سے متعلق خاص خاص باتیں تحریر کرتے ہیں:

☆ نماز سے قبل خواتین کو اس بات کا اطمینان کر لینا چاہیے کہ انکے چہرے، ہتھیلیوں اور پاؤں کے تلووں کے سوا تمام جسم دبیز کپڑے سے ڈھکا ہوا ہے۔ ایسا باریک کپڑا جس سے بدن کی رنگت جھلکتی ہو یا ایسا باریک دوپٹہ جس سے بالوں کی سیاہی چمکے ستر یعنی پردے کے لیے کافی نہ ہوگا ایسا لباس یا دوپٹہ وغیرہ پہن کر نماز پڑھی تو نماز نہ ہوگی۔ گردن، کان، سر کے ٹکٹے ہوئے بال اور کلایاں چھپانا بھی فرض ہے۔

☆ چہرے، ہتھیلیوں اور پاؤں کے تلووں کے سوا کوئی عضو نماز شروع کرتے وقت چوتھائی مقدار میں کھلا ہوا اور اسے چھپائے بغیر اللہ اکبر کہہ لیا تو نماز شروع ہی نہ ہوئی۔ اور اگر نماز کے دوران کوئی عضو چوتھائی کے برابر اتنی دیر کھلا رہا جس میں تین بار سبحان اللہ کہا جاسکے تو نماز نہ ہوئی۔

☆ خواتین نماز شروع کرتے وقت اپنے ہاتھ کانوں کی بجائے صرف کندھوں تک اٹھائیں اور انہیں دوپٹوں سے باہر نہ نکالیں۔

☆ پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر بائیں ہتھیلی سینے پر رکھ کر اسکی پشت پر دائیں ہتھیلی رکھیں۔

☆ رکوع کرتے وقت صرف اتنا جھکیں کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں، انگلیاں باہم ملی ہوئی ہوں اور گھٹنوں کو آگے کی طرف ذرا سا خم دے کر کھڑی رہیں، نیز انکے بازو پہلوؤں سے ملے ہوئے ہوں۔

☆ خواتین سجدہ سمٹ کر کریں یعنی پیٹ رانوں سے اور رانیں پنڈلیوں سے اور پنڈلیاں زمین سے اور بازو پہلوؤں سے ملا دیں اور کلایاں زمین پر بچھا دیں نیز پاؤں کھڑے کرنے کی بجائے دائیں طرف نکال کر بچھا دیں۔

☆ قعدہ میں دونوں پاؤں دائیں جانب نکال دیں اور بائیں کو لہے پر بیٹھیں۔

☆ خواتین کے لیے گھر کے اندر یعنی کمرے میں نماز پڑھنا محسن میں نماز پڑھنا کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ (ابوداؤد)

آقا و مولیٰ ﷺ کے زمانہ اقدس میں عورتوں کو باجماعت نماز کے لیے مسجد میں آنے کی اجازت تھی لیکن جب فتنہ ظاہر ہونے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مسجد میں آنے سے منع فرما دیا۔ بعض خواتین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر شکایت کی کہ ہمیں مسجد آنے سے روک دیا گیا ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا، اگر نبی کریم ﷺ ہمارے زمانے کی عورتوں کو ملاحظہ فرماتے تو آپ ﷺ بھی عورتوں کو مسجد جانے سے منع فرما دیتے جیسے بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو منع کر دیا تھا۔ (بخاری، مسلم)

☆ اسی لیے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا، خواتین کو کسی بھی باجماعت نماز کے لیے مسجد جانا منع ہے خواہ دن کی نماز ہو یا رات کی، جمعہ کی ہو یا عیدین کی، عورت چاہے جوان ہو یا بوڑھی۔

(بہار شریعت بحوالہ دُرِّ مختار، فتح القدیر، فتاویٰ رضویہ)

☆ حیض و نفاس اور استحاضہ کے مسائل ☆

سوال: حیض و نفاس اور استحاضہ میں کیا فرق ہے؟ ان کے بارے میں شرعی احکام اور ضروری مسائل بیان فرمائیے۔

جواب: ارشاد باری تعالیٰ ہے، "(اے محبوب ﷺ!) تم سے پوچھتے ہیں حیض کا حکم، تم فرماؤ وہ ناپاکی ہے تو عورتوں سے الگ رہو حیض کے دنوں میں، اور ان سے نزدیکی نہ کرو جب تک پاک نہ ہو لیں، پھر جب پاک ہو جائیں تو انکے پاس جاؤ جہاں سے تمہیں اللہ نے حکم دیا، بیشک اللہ پسند کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو"۔

(البقرہ: ۲۲۲، کنز الایمان از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی)

حدیث شریف میں ہے کہ یہودیوں میں جب کسی عورت کو حیض آتا تو وہ اسے نہ اپنے ساتھ کھلاتے پلاتے اور نہ ہی اسے اپنے گھر میں رکھتے۔ صحابہ کرام نے اس بارے میں دریافت کیا تو مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، ایام حیض میں جماع کے سوا دیگر معاملات برقرار رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں حالت حیض میں پانی پیتی پھر وہ برتن حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتی تو آپ وہیں دہن اقدس رکھ کر پانی پیتے جس جگہ میرا منہ لگا تھا اور میں حیض کی حالت میں ہڈی سے گوشت نوچ کر کھاتی اور پھر حضور کو دے دیتی، آقا ﷺ میرے منہ لگانے کی جگہ اپنا دہن مبارک رکھ کر تناول فرماتے۔ (مسلم)

مذکورہ آیت و احادیث کریمہ کی روشنی میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ حیض و نفاس کی حالت میں جماع حرام ہے اور ناف سے گھٹنے تک عورت کے جسم کو اسکے شوہر کا چھونا بھی جائز نہیں جبکہ کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو البتہ ناف سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے کسی طرح کا نفع لینے میں کوئی حرج نہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری، بہار شریعت)

صدر الشریعہ فرماتے ہیں کہ بالغہ عورت کے بدن میں فطری طور پر ضرورت سے کچھ زائد خون پیدا ہوتا ہے تاکہ حمل کے دنوں میں وہ خون بچے کی غذا میں کام آئے اور بچے

کے دودھ پینے کے زمانے میں وہ دودھ بن جائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو حمل اور دودھ پلانے کے ایام میں عورت کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حمل اور دودھ پلانے کے ابتدائی ایام میں خون نہیں آتا اور ان حالات کے علاوہ اگر یہ زائد خون حیض کی صورت میں بدن سے نہ نکلے تو عورت کو قسم قسم کی بیماریاں لاحق ہو جائیں۔

بالغہ عورت کے بدن سے کم از کم پندرہ دن پاکیزہ رہنے کے بعد جو خون عادت کے طور پر نکلتا ہے وہ حیض ہے، جو خون بچے کی پیدائش کے بعد آئے اسے نفاس کہتے ہیں اور جو خون بیماری کے باعث آئے وہ استحاضہ کہلاتا ہے۔ کم سے کم نو برس کی عمر سے حیض شروع ہوتا ہے اور حیض آنے کی انتہائی عمر پچپن سال ہے۔

ہر عورت کی حیض کی مدت کم سے کم تین دن اور تین راتیں یعنی پورے بہتر (۷۲) گھنٹے ہے۔ اگر مدت اس سے کم ہو تو وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے۔ حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن اور دس راتیں ہیں، اس مدت سے زیادہ خون آئے تو اگر یہ حیض پہلی بار ہے تو دس دن تک حیض ہے اور باقی دن استحاضہ۔ اور اگر پہلے بھی حیض آچکے ہیں اور

عادت دس دن سے کم کی ہے تو عادت سے جتنا زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے۔ WWW.NAFSEISLAM.COM

مثال کے طور پر کسی کی حیض کی عادت سات دن تھی اور اب بارہ دن خون آیا تو سات دن حیض کے ہوئے اور باقی پانچ استحاضہ کے۔ اور اگر کوئی عادت مقرر نہ تھی تو کچھلی بار جتنے دن حیض کے تھے وہی اب بھی مانے جائیں گے اور باقی استحاضہ ہوگا۔

☆ دو حیض کے درمیان اور اسی طرح حیض و نفاس کے درمیان بھی پندرہ دن کا وقفہ ضروری ہے۔ اگر نفاس ختم ہونے کے بعد پندرہ دن سے قبل خون آجائے تو وہ استحاضہ ہو گا، یونہی حمل والی عورت کو جو خون آئے وہ بھی استحاضہ ہوگا۔

☆ نفاس کی کم سے کم کوئی مدت مقرر نہیں اور اسکی انتہائی مدت چالیس دن رات ہے۔ بعض جگہ رواج ہے کہ خواتین چلہ پورا کیے بغیر نماز شروع نہیں کرتیں اگرچہ نفاس ختم ہو چکا ہو، یہ جہالت ہے۔ جیسے ہی نفاس ختم ہو اسی وقت غسل کر کے نماز شروع کر دیں اور اگر نہانے سے بیماری کا اندیشہ ہو تو تیمم کر کے نماز ادا کریں۔

☆ حیض و نفاس کی حالت میں قرآن پاک پڑھنا یا چھونا، مسجد میں جانا، طواف کرنا، سجدہ تلاوت یا سجدہ شکر کرنا حرام ہے۔ اگر جزدان میں قرآن کریم ہو تو اس جزدان کا چھونا جائز ہے۔ اس حالت میں قرآن کریم کے علاوہ تمام وظائف و اذکار مکملہ شریف درود شریف وغیرہ پڑھنا کراہت کے بغیر جائز بلکہ مستحب ہے البتہ پڑھنے سے قبل کلی کرنا یا وضو کرنا بہتر ہے۔

☆ ان دنوں میں نمازیں معاف ہیں اور انکی قضا بھی نہیں البتہ ان ایام کے روزے دوسرے دنوں میں رکھنا فرض ہے۔ نمازوں کے اوقات میں وضو کر کے اتنی دیر تک درود شریف اور دوسرے اذکار پڑھنا مستحب ہے جتنی دیر میں نماز ادا ہوتی ہے تاکہ نمازوں کی عادت قائم رہے اور بیش بہا اجر و ثواب بھی ملے۔

☆ استحاضہ میں نہ نماز معاف ہے اور نہ روزہ، اور صحبت بھی جائز ہے۔ اس حالت میں ہر نماز نئے وضو سے ادا کی جائے۔ استحاضہ والی عورت اگر غسل کر کے ظہر کی نماز آخر وقت میں اور وضو کر کے عصر کی نماز اول وقت میں اور پھر غسل کر کے مغرب کی نماز آخر وقت میں اور پھر وضو کر کے عشاء کی نماز اول وقت میں پڑھے اور فجر بھی غسل کر کے پڑھے تو بہتر ہے اور عجب نہیں کہ یہ ادب جو حدیث میں ارشاد ہوا ہے اسکی رعایت کی برکت سے اسکے مرض کو بھی فائدہ پہنچے۔

(بہار شریعت حصہ دوم صفحہ ۷۵)

☆ طہارت کے مسائل ☆

سوال: غسل اور تیمم کے متعلق کن باتوں کا جاننا زیادہ ضروری ہے؟ یہ بھی ارشاد فرمائیے کہ ناپاک کپڑوں کو کیسے پاک کیا جائے؟
جواب: آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، ”اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے جہاں تصویر، کتاب یا حالت جنابت میں کوئی شخص ہو“۔ (ابوداؤد) یعنی جس پر غسل واجب ہو، اسے پاکی حاصل کرنے کے لیے جلدی کرنی چاہیے۔ سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجیے کہ غسل یا وضو کیسے پانی سے کیا جائے۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ پانی بے رنگ، بے بو اور بے ذائقہ یعنی قدرتی حالت میں ہو نیز پانی استعمال شدہ نہ ہو۔ اگر بدن پر کوئی نجاست نہ لگی ہو تو جو پانی وضو یا غسل کرنے میں بدن سے گرے وہ پاک ہے مگر اس سے وضو یا غسل جائز نہیں۔ اسی طرح اگر بے وضو شخص کا ہاتھ یا انگلی یا ناخن یا بدن کا وہ حصہ جو دھلا نہ ہو، یا جس پر غسل فرض ہے اسکے جسم کا بے دھلا حصہ پانی میں پڑ جائے یا پانی سے چھو جائے تو وہ پانی مستعمل ہو گیا، اب اس سے وضو یا غسل نہیں ہو سکتا۔ اس کا پینا اور اس سے آٹا گوندھنا مکروہ ہے البتہ اسے کپڑے دھونے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مستعمل پانی کو وضو یا غسل کے لیے استعمال کے قابل بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اچھا پانی اس سے زیادہ اس میں ملا دیں یا اس میں اتنا پانی ڈالیں کہ برتن کے کناروں سے بہنے لگے، اب اس پانی سے وضو یا غسل جائز ہے۔
غسل میں تین فرض ہیں:-

۱۔ غرغره کرنا یعنی منہ بھر کر اس طرح گلی کرنا کہ ہونٹ سے حلق کی جڑ تک پانی پہنچ جائے۔

۲۔ ناک میں ہڈی تک پانی پہنچانا تاکہ دونوں نھنوں میں ہڈی تک کوئی جگہ خشک نہ رہے۔

۳۔ سارے بدن پر اس طرح پانی بہانا کہ بال برابر جگہ بھی خشک نہ رہے۔

اگر دانتوں میں گوشت کے ریشے وغیرہ پھنسے ہوں تو انہیں صاف کرنا ضروری ہے اسی طرح ناک میں میل جم گئی ہو تو اسے صاف کر کے پانی سخت ہڈی کے شروع تک پہنچانا بھی لازم ہے البتہ روزے کی حالت میں مبالغہ سے بچنا چاہیے۔

جسے وضو یا غسل کی حاجت ہو مگر اسے پانی استعمال کرنے پر قدرت نہ ہو اسے تیمم کرنا چاہیے۔ اس کی چند اہم صورتیں درج ذیل ہیں:

چاروں طرف ایک ایک میل تک پانی کا پتہ نہ ہو،

یا ایسی بیماری ہو کہ پانی کے باعث شدید بیمار ہونے یا دیر میں اچھا ہونے کا صحیح اندیشہ ہو خواہ یہ اس نے خود آزمایا ہو یا کسی مستند و قابل طبیب نے بتایا ہو،

یا اتنی سخت سردی ہو کہ نہانے سے مرجانے یا بیمار ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو اور لحاف وغیرہ کوئی ایسی چیز اسکے پاس نہ ہو جس سے نہانے کے بعد سردی سے بچ سکے،

یا ٹرین یا بس وغیرہ سے اتر کر پانی استعمال کرنے میں گاڑی چھوٹ جانے کا خدشہ ہو،

یا وضو، غسل کرنے کی صورت میں نماز عیدین نکل جانے کا گمان ہو۔

تیمم میں تین فرض ہیں۔

اول: نیت کرنا کہ یہ تیمم وضو یا غسل یا دونوں کی پاکی کے لیے ہے،

دوم: سارے منہ پر اس طرح ہاتھ پھیرنا کہ بال برابر جگہ بھی باقی نہ رہے،

سوم: دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کرنا کہ کوئی حصہ باقی نہ رہے۔

تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ نیت کر کے بسم اللہ پڑھ کر دونوں ہاتھ زمین کی جنس سے تعلق رکھنے والی کسی چیز (مثلاً مٹی، پتھر، ماربل یا ایسی چیز جس پر کافی گرد و غبار ہو) پر مارے اور دونوں ہاتھ سارے منہ پر پھیر لے کہ کوئی جگہ باقی نہ رہے پھر دوبارہ مٹی یا پتھر پر ہاتھ مارے اور پہلے دائیں ہاتھ کا اس طرح مسح کرے کہ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے علاوہ چار انگلیوں کا پیٹ دائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے اور انگلیوں کے سرے سے کہنی تک لے جائے اور پھر وہاں سے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے دائیں ہاتھ کے پیٹ (یعنی اندرونی طرف) پر پھیرتے ہوئے گٹے تک لائے اور بائیں انگوٹھے کے پیٹ سے دائیں انگوٹھے کی پشت کا مسح کرے۔ اسی طرح دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کا مسح کرے۔

خواتین وضو، غسل اور تیمم کے لیے یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ انگوٹھی، مچھلے، ہتھ، چوڑیاں اور نیل پالش وغیرہ ہٹا کر یا اتار کر جلد کے ہر حصہ پر پانی پہنچانا یا ہاتھ پھیرنا ضروری ہے۔

بیماری میں اگر ٹھنڈا پانی نقصان کرتا ہے تو گرم پانی استعمال کرنا چاہیے اگر گرم پانی نہ ملے تو تیمم کیا جائے۔ یونہی اگر سر پر پانی ڈالنا نقصان کرتا ہے تو گلے سے نہائے اور گیلا ہاتھ پھیر کر پورے سر کا مسح کرے۔ اسی طرح اگر کسی عضو پر زخم کے باعث پٹی بندھی ہو یا پلاسٹر چڑھا ہو تو ہاتھ گیلا کر کے اس پٹی کے اوپر پھیر دیا جائے اور باقی جسم کو پانی سے دھویا جائے۔

اگر نماز کا وقت اتنا کم رہ گیا کہ وضو یا غسل کرنے کی صورت میں نماز قضا ہو جائے گی تو تیمم کر کے نماز پڑھ لینی چاہیے البتہ وضو یا غسل کر کے اس نماز کو دہرانا ضروری ہے۔ جس عذر کے باعث تیمم کیا گیا اگر وہ ختم ہو جائے، یا جن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے ان سے وضو کا اور جن باتوں سے غسل واجب ہوتا ہے ان سے غسل کا تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔ ناپاک کپڑے پاک کرنے کے متعلق عرض ہے کہ انہیں اچھی طرح دھو کر پوری قوت سے نچوڑا جائے یہاں تک کہ مزید قوت لگانے پر کوئی قطرہ نہ ٹپکے۔ پھر ہاتھ دھو کر کپڑے دھوئیں اور انہیں اسی طرح پوری طاقت سے نچوڑیں، پھر تیسری بار ہاتھ دھوئیں اور کپڑے دھو کر انہیں پوری طاقت سے نچوڑیں کہ مزید نچوڑنے پر کوئی قطرہ نہ ٹپکے، اب کپڑے پاک ہو گئے۔ اگر کسی نے پوری قوت سے کپڑا نچوڑ لیا مگر کوئی دوسرا جو طاقت میں زیادہ ہے، اسے نچوڑے تو چند بوند پانی مزید ٹپک جائے گا تو کپڑا پہلے کے حق میں پاک اور اس دوسرے کے حق میں ناپاک ہے۔

اس مسئلے میں احتیاط کرنی چاہیے، ہر کوئی یا تو اپنا ناپاک کپڑا خود پاک کرے یا پھر انہیں بہتے پانی میں پاک کیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ خواتین صابن یا واشنگ مشین سے کپڑے دھو کر انہیں کسی برتن میں ڈال دیں اور پھر اتنا پانی ڈالیں کہ کپڑے پانی میں مکمل ڈوب جائیں اور پانی برتن کے کناروں سے بہنے لگے، اب ان کپڑوں کو نکال لیں یہ پاک ہو گئے۔

ایسے نازک کپڑے جو نچوڑنے کے قابل نہیں ہیں اسی طرح چٹائی، قالین اور جوتا وغیرہ بھی اگر ناپاک ہو جائیں تو انہیں پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں دھو کر لٹکا دیا جائے یہاں تک کہ ان سے پانی ٹپکنا بند ہو جائے۔ پھر دوبارہ دھو کر لٹکا دیں، جب پانی ٹپکنا بند ہو جائے پھر تیسری بار دھو کر سکھا لیں، یہ پاک ہو جائیں گے۔

☆ روزہ کا مقصد اور اہم مسائل ☆

سوال: روزوں کی فرضیت کا مقصد کیا ہے؟ روزہ کن باتوں سے ٹوٹ جاتا ہے اور کن باتوں سے مکروہ ہوتا ہے؟ چیدہ چیدہ مسائل بیان فرمادیجیے۔

جواب: ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے“۔ (البقرہ: ۱۸۳، کنز الایمان)

معلوم ہوا کہ روزوں کی فرضیت کا مقصد تقویٰ اور پرہیزگاری کا حصول ہے جو کہ انسان کا مقصد حیات بھی ہے۔ انسان اس دنیا میں آ کر اسکی رنگینیوں میں کھو گیا اور اپنے مقصد حیات کو بھول کر کھانے پینے اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کو زندگی کا مقصد سمجھ بیٹھا، اسکی تمام کوششیں پیٹ بھرنے اور نفس پروری میں صرف ہونے لگیں۔ اس خواب غفلت سے جگانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ماہ کے روزے فرض کیے تاکہ انسان یہ جان لے کہ اسکی زندگی کا اصل مقصد کھانا پینا ہی نہیں بلکہ اصل مقصد تو تقویٰ ہے۔

جب روزے کی حالت میں بندہ، حلال کھانا پینا حکم الہی کی تعمیل میں ترک کر دیتا ہے تو روزہ زبان حال سے اسے یہ درس دیتا ہے، اے روزہ دار! جب تو نے حلال چیزیں اپنے رب کے حکم سے ترک کر دیں تو وہ چیزیں جنہیں تیرے رب نے ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا، تو انکے ارتکاب سے بھی باز رہنا۔ اس ضمن میں ایک اور بات قابل غور ہے وہ یہ کہ نماز بعض ارکان کے ادا کرنے کا نام ہے، زکوٰۃ کسی مستحق کو دینے سے ادا ہوتی ہے، حج طواف کعبہ اور دیگر مخصوص ارکان ادا کرنے کو کہتے ہیں مگر روزہ ایسی عبادت ہے جو کچھ نہ کرنے کا نام ہے اسی لیے سب عبادات دوسروں پر ظاہر ہو جاتی ہیں جبکہ روزہ بندے اور اسکے رب کے درمیان ایک راز رہتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی ریاکار

چھپ کر کھانا پیتا رہے اور لوگوں کے سامنے خود کو روزہ دار ظاہر کرے مگر روزہ دار ریاکاری کے لیے کھانا پینا نہیں چھوڑتا۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے فرمایا، ”روزہ میرے لیے

ہے اور میں ہی اسکا اجر دوں گا۔“ (بخاری)

روزوں کا مقصد تقویٰ ہے اور تقویٰ نیک کام کرنے اور برے کاموں سے بچنے کا نام ہے۔ اس لیے آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، ”جو روزے دار بری بات کہنا اور برے کام کرنا نہ چھوڑے، اللہ تعالیٰ کو اسکے بھوکے پیاسے رہنے کی کچھ پروا نہیں۔“ (بخاری)

مزید ارشاد ہوا، ”کئی روزے دار ایسے ہیں جن کا روزہ سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ نہیں اور بہت سے راتوں میں عبادت کرنے والے ایسے ہیں کہ انہیں جاگنے کے سوا کچھ حاصل نہیں۔“ (ابن ماجہ)

سرور کائنات ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے، ”روزہ محض کھانے پینے سے باز رہنے کا نام نہیں بلکہ روزہ کی اصل یہ ہے کہ لغو اور بیہودہ باتوں سے بچا جائے۔“ (حاکم)

روزہ کی حقیقت کے متعلق چند باتیں عرض کی گئیں اب فقہی مسائل ملاحظہ ہوں۔

☆ کھانے پینے یا جماع کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جبکہ روزے دار ہونا یاد ہو۔

☆ دانتوں میں کوئی چیز چبنے کے برابر یا زیادہ ہو، اسے نگل لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

☆ قصد امنہ بھر کر قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جبکہ روزہ دار ہونا یاد ہو۔

☆ آنسو یا پسینہ منہ چلا جائے اور اسکی نمکینی پورے منہ میں معلوم ہو تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

☆ اگر دانتوں سے خون نکلے اور اسکا ذائقہ حلق میں محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

☆ گھی کرتے ہوئے پانی بلا ارادہ حلق سے نیچے اتر جائے یا ناک میں پانی چڑھاتے ہوئے دماغ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا بشرطیکہ روزہ دار ہونا یاد ہو۔

☆ آنکھ یا کان میں دوائی ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ کان میں تیل ڈالنے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

☆ بھول کر کھانے پینے کے دوران روزہ دار ہونا یاد آ جائے اور منہ میں موجود شے نگل لی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

☆ اگر کھانے پینے کے دوران سحری کا وقت ختم ہو جائے تو نوالہ اگل دینا چاہیے اسے نگل لینے سے روزہ نہیں ہوگا۔

☆ جھوٹ، غیبت، چغلی، گالی، بیہودہ گفتگو یا کسی کو تکلیف دینے سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ سحری کھانے میں تاخیر کرنا مستحب ہے مگر اتنی تاخیر مکروہ ہے کہ صبح ہونے کا شک ہو جائے۔ اسی طرح افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے مگر احتیاط ضروری ہے۔

☆ روزے میں بار بار تھوکرنا، منہ میں تھوک اکٹھا کر کے نگل لینا اور کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کرنا بھی مکروہ ہے۔ یوں ہی استنجا کرنے میں مبالغہ کرنا بھی مکروہ ہے یعنی روزے دار کو استنجا کرنے میں نیچے کوڑور نہیں دینا چاہیے۔

☆ روزہ دار کو بلا عذر کسی چیز کا چکھنا مکروہ ہے عذر یہ ہے کہ شوہر یا آقا بد مزاج ہو اور نمک وغیرہ کی کمی بیشی پر ناراض ہوتا ہو۔ چکھنے کا مفہوم یہ ہے کہ زبان پر رکھ کر ذائقہ محسوس کریں اور اسے تھوک دیں، اس میں سے حلق میں کچھ نہ جانے پائے ورنہ روزہ ٹوٹ جائے گا۔

☆ بھول کر کھانے پینے یا جماع کرنے سے، بے اختیار قے آ جانے سے خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ، کان میں پانی چلے جانے سے یا احتلام ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح کبھی، دھواں یا گرد حلق میں چلی جائے تو بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

☆ روزے میں تیل یا سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگرچہ تیل یا سرمہ کا مزہ حلق میں محسوس ہوتا ہو۔ اگر ایسی کسی صورت میں یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ گیا، اس بنا پر قصداً کھایا یا تو اس روزے کی قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔

☆ روزے کے لیے عورت کا حیض و نفاس سے پاک ہونا شرط ہے۔ اگر حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت کو اپنی یا بچے کی جان کا صحیح اندیشہ ہو تو اسے اجازت ہے کہ اس وقت روزے نہ رکھے خواہ دودھ پلانے والی بچے کی ماں ہو یا دائی۔ وہ بعد میں روزے رکھ لے۔

☆ عورت حیض سے پورے دس دن رات میں فارغ ہوئی تو بہر حال اگلے دن کا روزہ رکھے اور دس سے کم دنوں میں پاک ہوئی تو اگر صبح ہونے میں اتنا وقت ہے کہ نہا کر معمولی سا وقت بچے گا تو روزہ رکھے اگرچہ غسل نہ کیا ہو اور اگر نہا کر فارغ ہونے کے وقت صبح ہو گئی تو روزہ نہیں۔

☆ حیض و نفاس والی عورت پاک ہو گئی تو اسے باقی دن روزے کی مثل گزارنا واجب ہے اور اس دن کی قضا فرض ہے۔ حیض و نفاس والی عورت کو اختیار ہے کہ چھپ کر کھائے یا ظاہراً لیکن چھپ کر کھانا بہتر ہے۔

☆ اگر جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا تو اس کا کفارہ لازم ہے۔ کفارہ یہ ہے کہ لگاتار ساٹھ روزے رکھے جائیں۔ اگر کسی دن ناغہ ہو جائے تو پھر سے ساٹھ کی گنتی پوری کرنی ہوگی، البتہ عورت کو اگر حیض آ جائے تو اسکی وجہ سے رہ جانے والے دن، ناغے شمار نہیں ہونگے یعنی حیض سے پہلے اور بعد والے دن مل کر ساٹھ کی گنتی پوری ہونے پر کفارہ ادا ہو جائے گا۔

☆ اگر روزے رکھنے پر قدرت نہ ہو یعنی کوئی بیمار ہے اور اچھے ہونے کی کوئی امید نہیں یا زیادہ بڑھاپے کے باعث روزے رکھنا ممکن نہیں تو ساٹھ مساکین کو پیٹ بھر کر دونوں وقت کھانا کھلانے سے کفارہ ادا ہوگا۔ یا پھر ہر مسکین کو صدقہ فطر کے برابر رقم دے دی جائے۔

(بہار شریعت، حصہ پنجم)

☆ زکوٰۃ کی اہمیت اور مسائل ☆

سوال: زکوٰۃ کی اہمیت قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیجیے نیز اس ضمن میں ضروری مسائل بھی بیان فرمائیے۔

جواب: ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ”اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی، اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی۔ جس دن وہ تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں پھر اس سے دائیں گے انکی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں، (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لیے جوڑ کر رکھا تھا، اب چکھو مزہ اس جوڑنے کا۔“

(التوبہ: ۳۴، ۳۵، کنز الایمان از اعلیٰ حضرت محدث بریلوی)

قرآن کریم میں بیشمار مرتبہ زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا۔ سورہ مومنون کی چوتھی آیت میں فلاح پانے والوں کا یہ وصف بیان ہوا کہ وہ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ سورہ بقرہ کی تیسری آیت میں متقین کی صفت یہ بتائی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں سے اسکی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا گیا،

”اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے، رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے (یعنی غلام آزاد کرانے) میں، اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دے۔“ (البقرہ: ۱۷۷)

یہ اسلام کا نہایت اہم رکن ہے۔ بکثرت احادیث میں اسے ادا کرنے کی تاکید اور نہ دینے پر وعید وارد ہوئی، چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔
آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے،

جسے اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ اسکی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن وہ مال ایک گھجے سانپ کی صورت میں لایا جائے گا اور اسکے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔ وہ سانپ اسکی باجھیں پکڑ کر کہے گا، میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر حضور ﷺ نے سورہ آل عمران کی آیت تلاوت فرمائی جسکا ترجمہ یہ ہے، ”جو لوگ بخل کرتے ہیں اسکے ساتھ جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا، وہ یہ گمان نہ کریں کہ انکے لیے بہتر ہے بلکہ یہ انکے لیے برا ہے، اس چیز کا قیامت کے دن انکے گلے میں طوق ڈالا جائے گا جس کے ساتھ بخل کیا۔“ (بخاری)

غیب بتانے والے آقا ﷺ نے فرمایا، ”خسکی اور تری میں جو مال برباد ہوتا ہے وہ زکوٰۃ نہ دینے کے باعث برباد ہوتا ہے۔“ دوسری روایت میں ارشاد ہوا، ”جو قوم زکوٰۃ نہ دے اللہ تعالیٰ اسے قحط میں مبتلا فرمادیتا ہے۔“ (طبرانی)

سرکارِ دو عالم نور مجسم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ”تم زکوٰۃ دے کر اپنے مال کو مضبوط قلعوں میں محفوظ کر لو اور اپنے بیماروں کا علاج صدقے سے کرو اور بلا نازل ہونے پر گریہ وزاری سے دعا کے ذریعے مدد چاہو۔“ (ابوداؤد، طبرانی، بیہقی)

زکوٰۃ فرض ہے اس کا منکر کافر ہے، اور اسکا نہ دینے والا فاسق اور قتل کا مستحق ہے، اور اسے ادا کرنے میں تاخیر کرنے والا گناہگار اور مردود الشہادۃ ہے۔

زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے چند شرطیں ہیں: ۱۔ مسلمان ہونا، ۲۔ بالغ ہونا، ۳۔ عاقل ہونا، ۴۔ آزاد ہونا، ۵۔ مالکِ نصاب ہونا، ۶۔ پورے طور پر مالک ہونا، ۷۔ نصاب کا قرض سے فارغ ہونا، ۸۔ نصاب کا حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا، ۹۔ مال کا نامی ہونا، ۱۰۔ سال گزرنا۔

☆ جو ذین (قرض) میعاد ہو وہ زکوٰۃ سے نہیں روکتا۔ چونکہ عادیہ مہر کی رقم کا مطالبہ نہیں ہوتا اسلیے شوہر کے ذمہ کتنا ہی مہر کیوں نہ ہو، اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر کسی پر قرض ہو اور وہ قرض ادا کرنے کے بعد مالکِ نصاب نہیں رہتا تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔

☆ جو مال حاجتِ اصلیہ کے علاوہ ہو اور نصاب کے برابر ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ زندگی بسر کرنے کے لیے جس چیز کی ضرورت ہو وہ حاجتِ اصلیہ ہے اس پر زکوٰۃ نہیں۔ جیسے رہنے کا مکان، سردی گرمی میں پہننے کے کپڑے، خانہ داری کے سامان، سواری کے جانور (گاڑی)، خدمت کے لیے لونڈی غلام، جنگ کے آلات، پیشہ وروں کے اوزار، اہل علم کے لیے ضرورت کی کتابیں، کھانے کے لیے اناج وغلہ۔

☆ زکوٰۃ کا نصاب ساڑھے سات تو لے سونا یا ساڑھے باون تو لے چاندی ہے۔ اگر کسی کے پاس ساڑھے سات تو لے سونا یا ساڑھے باون تو لے چاندی یا ان میں سے کسی کی قیمت کے برابر رقم ہو جو حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ زکوٰۃ کل مال کا ڈھائی فیصد (2.5%) ادا کرنا واجب ہے۔

☆ کسی کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی ہے اور دونوں کی مقدار نصاب سے کم ہے تو دونوں کی مالیت کا حساب کریں، اگر کل رقم ملا کر کم مالیت والے نصاب یعنی ساڑھے باون تو لے چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو زکوٰۃ واجب ہے۔ اسی طرح اگر نصاب سے کم سونا اور کچھ روپے ہیں تو سونے کی مالیت نکالیں، اگر مالیت اور نقد رقم ملا کر ساڑھے باون تو لے چاندی کی مالیت کے برابر ہو تو بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

☆ مال تجارت پر بھی زکوٰۃ ہے جبکہ اسکی قیمت کم از کم نصاب کے برابر ہو۔ اگر سامان تجارت کی قیمت نصاب کو نہیں پہنچتی مگر اسکے پاس مال تجارت کے علاوہ سونا اور چاندی

بھی ہے تو ان تینوں کی مالیت جمع کریں اگر مجموعہ نصاب کو پہنچے تو زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر کسی کے چار بیٹے ہیں اور اس نے انہیں دینے کی ضرورت سے چار مکان خریدے تو ان پر زکوٰۃ نہیں۔ اگر کوئی مکان یا پلاٹ بیچنے کی نیت سے لیا تو اس پر زکوٰۃ ہے۔

☆ نابالغ لڑکیوں کا جو زیور بنایا گیا اور انہیں ابھی مالک نہ کیا گیا بلکہ اپنی ہی ملکیت میں رکھا اور انکے پہننے کے استعمال میں آتا ہے اگرچہ نیت یہ ہو کہ انکا بیاہ ہونے پر جہیز میں دیں گے۔ اگر تنہا وہ زیور یا وہ دوسرے مال کے ساتھ مل کر نصاب کے برابر ہے تو اسی مالک پر زکوٰۃ ہے۔ اگر وہ زیور نابالغ لڑکیوں کی ملکیت بنا دیا گیا تو اسکی زکوٰۃ کسی پر نہیں؛ والدین پر اسلیے نہیں کہ وہ انکی ملکیت نہیں اور لڑکیوں پر اسلیے نہیں کہ وہ نابالغہ ہیں۔

☆ وہ زیور جو عورت کی ملکیت ہے یا اسکے شوہر نے اسکی ملکیت کر دیا، اسکی زکوٰۃ ہرگز شوہر کے ذمہ نہیں اگرچہ وہ مالدار ہو اور نہ اسکی زکوٰۃ نہ دینے کا شوہر پر کوئی گناہ۔ ہاں شوہر کو چاہیے کہ بیوی کو سمجھائے کہ زکوٰۃ نہ دینا بہت بڑا گناہ ہے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید کرے۔ اور وہ زیور جو شوہر صرف پہننے کو دیا اور اپنی ہی ملکیت رکھا جیسا کہ بعض گھرانوں میں رواج ہے تو اسکی زکوٰۃ بیشک مرد کے ذمہ ہے جبکہ وہ زیور خود یا دوسرے مال سے مل کر نصاب کو پہنچے اور حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو۔

☆ چاند کی تاریخ کے حساب سے جس تاریخ اور جس وقت کوئی صاحب نصاب ہوا، جب سال گزر کر وہی تاریخ اور وقت آئے گا اس پر فوراً زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا۔ اب وہ جتنی دیر کرے گناہگار ہوگا۔ اسلیے زکوٰۃ سال پورا ہونے سے پہلے پیشگی ادا کرنی چاہیے اور اسکے لیے بہترین مہینہ رمضان المبارک ہے جس میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ستر فرضوں کے برابر ملتا ہے۔ سال پورا ہونے پر اس رقم کا حساب کر لیا جائے، جو رقم کم ہو فوراً دیدی جائے اور اگر زیادہ دیدی ہو تو اسے آئندہ سال کے حساب میں شمار کر لیا جائے۔

☆ مرد یا عورت جن کی اولاد میں خود ہے یعنی ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی وغیرہ اور جو انکی اولاد میں ہے یعنی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسہ نواسی وغیرہ اور شوہر یا بیوی؛ ان کو زکوٰۃ اور صدقہ، فطر دینا جائز نہیں البتہ انہیں نفلی صدقہ دینا بہتر ہے۔ ان رشتوں کے علاوہ جو قریبی عزیز حاجتمند ہیں جیسے بہن بھائی، بھتیجا بھتیجی، بھانجا بھانجی، ماموں خالہ، چچا پھوپھی، یہ زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہیں کہ انہیں صلہ رحمی کا ثواب بھی ہوگا۔ نیز نفس پر بار بھی نہیں ہوگا کیونکہ آدمی اپنے سکے بہن بھائی یا انکی اولاد کو دینا گویا اپنے ہی کام میں استعمال کرنا سمجھتا ہے۔

☆ یہود اماد اور سوتیلی ماں یا سوتیلے باپ یا زوجہ کی اولاد یا شوہر کی اولاد کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ غنی کی نابالغ اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں جبکہ غنی کی بالغ اولاد کو دے سکتے ہیں جبکہ وہ فقیر ہوں۔ فقیر سے مراد وہ ہے جس کے پاس مال ہو مگر نصاب سے کم ہو یا وہ اتنا مقروض ہو کہ قرض نکالنے کے بعد صاحبِ نصاب نہ رہے۔ فقیر کو مانگنا ناجائز ہے جبکہ مسکین کو جائز ہے۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور وہ کھانے اور پہننے کے لیے مانگنے کا محتاج ہو۔

☆ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے نیت ضروری ہے۔ اگر سال بھر خیرات کیا بعد میں نیت کی کہ جو دیار زکوٰۃ ہے، اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔ زکوٰۃ دینے میں یہ بتانا ضروری نہیں کہ یہ زکوٰۃ ہے اسلیے اسے دل میں زکوٰۃ کی نیت کر کے مستحق عزیزوں کو مالی مدد یا عیدی وغیرہ کے طور پر بھی دے سکتے ہیں۔

☆ وہ طالب علم جو علم دین پڑھتے ہیں انہیں بھی زکوٰۃ دے سکتے ہیں بلکہ طالب علم سوال کر کے بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے جبکہ اس نے خود کو اسی کام کے لیے فارغ کر رکھا ہو اگرچہ کماسکتا ہو۔ جو لوگ زکوٰۃ دینی مدارس میں دیتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہاں کی انتظامیہ کو بتادیں کہ یہ زکوٰۃ ہے تاکہ وہ اسے شرعی مصارف میں خرچ کریں۔

☆ سید کو زکوٰۃ لینا بھی حرام اور اسے زکوٰۃ دینا بھی حرام۔ سید کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی کیونکہ زکوٰۃ مال کا میل ہے اور سادات کرام پاک ستھرے لطیف اور اہل بیتِ نبوت سے ہیں۔ انکی شان اس سے اعلیٰ کہ انہیں ایسی چیزیں دی جائیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ حاجتمند سادات کی اعانت کریں کہ یہ چیز انکے لیے دونوں جہان میں سعادت کی موجب ہے۔

☆ زکوٰۃ دینے میں افضل یہ ہے کہ پہلے اپنے بھائیوں بہنوں کو دے پھر انکی اولاد کو، پھر چچا اور پھوپھیوں کو پھر انکی اولاد کو، پھر ماموں اور خالہ کو پھر انکی اولاد کو پھر اپنے گاؤں یا شہر کے مستحقین کو۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے صدقہ کو قبول نہیں فرماتا جس کے رشتہ دار اسکے سلوک کے محتاج ہوں اور وہ غیروں کو دے۔

☆ بد مذہب کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور اسی طرح ان مرتدین کو بھی دینے سے ادا نہ ہوگی جو زبان سے تو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن خدا اور رسول کی شان گھٹاتے یا کسی اور دینی ضرورت کا انکار کرتے ہیں۔

(ماخوذ از بہارِ شریعت، فتاویٰ رضویہ)

☆ سورہ نور میں پردے کے احکام ☆

سوال: سورہ نور میں عورتوں کے لیے پردے کے جو احکام آئے ہیں انہیں تفصیل سے بیان فرمائیے۔

جواب: اللہ تعالیٰ عزّ و جل کا فرمانِ عالیشان ہے،

”مسلمان مردوں کو حکم دو، اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ انکے لیے بہت ستمرا ہے، بیشک اللہ کو انکے کاموں کی خبر ہے۔

اور مسلمان عورتوں کو حکم دو، اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں، اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں،

اور اپنا سنگھار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر، یا اپنے باپ یا اپنے شوہروں کے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے بھتیجے یا اپنے بھانجے یا اپنے دین کی عورتیں یا اپنی کنیریں جو اپنے ہاتھ کی ملک ہوں، یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں، یا وہ بچے جنہیں عورتوں کی شرم کی چیزوں کی خبر نہیں،

اور اپنے پاؤں زمین پر زور سے نہ رکھیں کہ جانا جائے انکا چھپا ہوا سنگھار (یعنی زیور)۔ اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو! سب سے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔“

(النور: ۳۰، ۳۱، کنز الایمان از اعلیٰ حضرت محدث بریلوی)

ان آیات میں پردے کے متعلق مندرجہ ذیل احکام بیان ہوئے ہیں:

اول: مسلمان مرد و عورت اپنی نگاہیں نیچی رکھیں،

دوم: اپنی شرمگاہ اور عصمت و پارسائی کی حفاظت کریں،

سوم: عورتیں اپنا بناؤ سنگھار نامحرموں سے چھپائیں،

چہارم: اپنے دوپٹے یا چادریں اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں،

پنجم: اپنا مخفی بناؤ سنگھار بھی ظاہر نہ ہونے دیں۔

اول: انسانی نفسیات سے واقف کوئی شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ بے راہ روی کی ابتدا نامحرموں کو دیکھنے سے ہوتی ہے۔ اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لیے یہ ان تمام اسباب اور ذرائع پر پابندی عائد کرتا ہے جو گناہ کا موجب ہوں۔ امام غزالی فرماتے ہیں، اس معاملے میں نفس کی مثال ایک جانور کی سی ہے کہ جب ابتدا میں کسی سمت میں جانے کا رجحان ظاہر کرے تو اسکی لگام تھامنا اور اسے اس سمت میں جانے سے روکنا مشکل نہیں ہوتا لیکن اگر لگام کھلی چھوڑ دیں اور وہ کسی سمت گامزن ہو جائے تو پھر لاکھ اسکی دم کھینچیں اور اسے باز رکھنے کی کوشش کریں مگر کامیابی دشوار ہو جاتی ہے پس اصل بات یہ ہے کہ آنکھ کی حفاظت کی جائے کیونکہ ہر فتنے کی ابتدا آنکھ ہی سے ہوتی ہے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے کسی نامحرم پر اچانک نظر پڑ جانے کے متعلق پوچھا تو آقا و مولیٰ ﷺ نے فوراً نظر پھیر لینے کا حکم دیا۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہوا، پہلی اچانک نظر معاف ہے مگر دوسری نظر جائز نہیں۔ (ترمذی) ایک اور حدیث شریف میں راستے کا ایک حق یہ بیان فرمایا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھی جائیں۔ (بخاری)

حدیث قدسی ہے، ”نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے جس نے اسکو میرے خوف سے ترک کر دیا میں اسے ایمان کا وہ درجہ دوں گا جس کی مٹھاس اور لذت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔“ (طبرانی، تفسیر ابن کثیر) یعنی جو کوئی خوفِ خدا کے باعث نامحرموں کی طرف نہ دیکھے، اللہ تعالیٰ اسے ایمان کی حلاوت عطا فرماتا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ ”دل کی طرف کھلنے والا سب سے بڑا دروازہ نگاہ کا ہے۔ آنکھ کی بے راہ روی کی وجہ سے ہی اکثر گناہ صادر ہو جاتے ہیں اس لیے اس سے بچنا چاہیے اور تمام محرمات سے اسکی حفاظت کرنی چاہیے۔“

صدر الافاضل اس آیت کے تحت رقم طراز ہیں، ”حدیث شریف میں ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سے بعض امہات المؤمنین سید عالم ﷺ کی خدمت میں تھیں اسی وقت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے تو حضور ﷺ نے ازواج کو پردے کا حکم فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو نابینا ہیں۔ فرمایا، تم تو نابینا نہیں ہو۔ (ترمذی، ابوداؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا بھی نامحرم مردوں کو دیکھنا اور انکے سامنے ہونا جائز نہیں۔“ (خزان العرفان)

دوم: اسکا مفہوم یہ ہے کہ بدکاری سے بھی بچو اور اسکے تمام اسباب سے بھی۔ آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، نامحرم کو شہوت سے دیکھنا آنکھ کا زنا ہے، شہوانی باتیں سننا کان کا زنا ہے، ایسی باتیں کرنا زبان کا زنا ہے، نامحرم کو چھونا اور پکڑنا ہاتھ کا زنا ہے، اسکی طرف چلنا پاؤں کا زنا ہے، ایسی بری خواہش دل کا زنا ہے اور شرمگاہ اسے سچایا جھوٹا کر دیتی ہے۔ (مسلم)

نور مجسم اللہ کا فرمانِ ذیشان ہے، ”اگر تم میرے لیے مجھے چیزوں کے ضامن بن جاؤ تو میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوں۔ جب بات کرو تو سچ بولو، جب وعدہ کرو تو پورا کرو، جب امانت دی جائے تو ادا کرو، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو، اپنی نگاہیں نیچی رکھو اور اپنے ہاتھ ظلم سے روک دو۔“ (مسند احمد)

مفتی محمد ظلیل خاں قادری برکاتی قدس سرہ فرماتے ہیں،

”مرد اور عورتیں اپنی اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اس حکم کے تحت زنا کاری کے علاوہ اور بھی سارے طریقے ناجائز شہوت رانی اور بدکاری و بد نظری کے آگئے۔ عاشقانہ افسانے اور ڈرامے، بے حیائی کے مناظر دکھانے والے تھیٹر اور سینما، خیالات و جذبات میں ہيجان پیدا کرنے والی تصویریں وغیرہ سب اسکے تحت میں آ جاتی ہیں۔“

(سُنی بھشتی زیور ص ۲۰۲)

سوم: پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ نامحرم کون ہیں؟ دین اسلام میں عورت کا جن مردوں سے نکاح حرام ہے وہ محرم کہلاتے ہیں۔ انکی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو ابھی محرم ہیں یعنی ان سے کسی بھی صورت میں عورت کا نکاح حرام ہے جیسے باپ بیٹا بھائی سرداما دچچا ماموں بھانجا بھتیجا وغیرہ۔ دوسرے وہ جو ابھی محرم نہ ہوں جیسے پھوپھا خالو، بہنوئی جیٹھ دیور وغیرہ کہ ان سے حرمت کا رشتہ دائمی نہیں۔ کیونکہ جب تک عورت کی پھوپھی خالہ یا بہن انکے نکاح میں ہے ان سے نکاح حرام ہے مگر پھوپھی خالہ یا بہن کے انتقال یا طلاق ہو جانے کی صورت میں ان سے عورت کا نکاح حلال ہو جائے گا۔

چچا، تایا، ماموں، خالہ یا پھوپھی کے بیٹے جنہیں عرف میں بھائی کہا جاتا ہے اسی طرح منہ بولے بھائی یا انکل وغیرہ ان سب کو عموماً محرم سمجھ کر ان سے پردہ نہیں کیا جاتا جبکہ یہ سب غیر محرم ہیں، خواتین کے لیے ان عارضی محرموں اور نامحرموں سے پردہ کرنا اور اپنا بناؤ سنگھار چھپانا ضروری ہے۔

اب مذکورہ حکم قرآنی پر غور کیجیے کہ عورتیں اپنی زینت نہ دکھائیں مگر جتنی خود ہی ظاہر ہے۔ زینت میں ہر وہ چیز آ جاتی ہے جو مردوں کے لیے عورت کی طرف رغبت کا باعث ہو، خواہ وہ زینت پیدا کن ہو جیسے حسین آواز، جسمانی خوبصورتی، خوش خرامی وغیرہ، خواہ وہ زینت کسی ہو جیسے خوبصورت لباس، زیورات، پاؤڈر، غارہ، سرخی وغیرہ۔ ایسا بناؤ سنگھار جو شریعت کی حدود میں ہو جائز ہے بشرطیکہ نامحرموں کے سامنے نمائش مقصود نہ ہو۔

مفتی محمد ظلیل خاں قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

”جسم کے وہ حصے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو اگرچہ زینت کے مواقع ہیں لیکن انکے چھپائے رکھنے میں عموماً حرج اور زحمت ہے جیسے چہرے کی نکلیا، ہتھیلیاں اور پاؤں، کیونکہ سرمہ لگانا چہرے کی اور خضاب یعنی مہندی لگانا اور انگوٹھیاں پہننا ہتھیلیوں اور انگلیوں کی زینت ہیں اور بہت سی دنیاوی اور دینی ضرورتیں انکے کھلا رکھنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ اگر انکے چھپانے کا مطلقاً ہر حال میں حکم دیا جائے تو عورتیں بڑی دشواریوں میں پھنس جائیں اس لیے انہیں یہ رعایت دی گئی کہ اپنے محرم رشتہ داروں مثلاً باپ بیٹا بھائی چچا ماموں دادا نانا خسر اور داماد وغیرہ کے سامنے اپنے جسم کا وہ حصہ کھلا رکھ سکتی ہیں جسے کھلا رکھے بغیر وہ خانگی امور انجام نہیں دے سکتیں۔ جیسے آٹا گوندھتے وقت آستینیں چڑھالینا یا گھر کا فرش دھوتے وقت شلوار کے پانچے ذرا اوپر چڑھالینا کہ جسم کے یہ حصے اگرچہ زینت کے مواقع ہیں لیکن ان کا ”ہر ایک سے“ ہر حالت میں چھپائے رکھنا حرج عظیم اور باعثِ زحمت ہے۔

اسی لیے حنفی فقہاء و مفسرین کے یہاں چہرہ اور کفِ دست (ہتھیلیوں) اور پیروں کے دیکھنے کی اجازت ملتی ہے۔ لیکن خیال رہے کہ ان اعضاء کی طرف نظر کرنا یا انکا کھولے رکھنا صرف اور صرف اسی صورت میں جائز ہے کہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو ورنہ چہرہ تو چہرہ کفِ دست کا دیکھنا اور اس پر نظر جمانا بھی جائز نہیں۔“ (چادر اور چادر یواری ص ۱۲۳)

مزید فرماتے ہیں، ”کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ اپنے حسن و جمال اور آرائش و زیبائش اور بناؤ سنگھار کی نمائش کی خاطر بھاڑ کی طرح منہ کھولے پھرے اور آوارہ گردوں کی نگاہوں کو دعوتِ نظار دے، لغزشوں کا سامان فراہم کرے اور اسلامی معاشرے کو داغدار بنائے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ چہرہ، ہتھیلیاں اور پاؤں، یہ تینوں اعضاء ستر میں داخل نہیں، انکا چھپانا فرض نہیں مگر جنابیوں کے لیے کھلا رکھنا ضرور حرام ہے۔“ (ایضاً ص ۱۲۳)

چہارم: آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، ”عورت، عورت ہے یعنی چھپانے کی چیز ہے، جب وہ نکلتی ہے تو اسے شیطان جھانک کر دیکھتا ہے۔“ (ترمذی) یعنی نامحرم عورت کو دیکھنا شیطانی کام ہے، یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ شیطان بدکار و آوارہ مردوں کو عورت کی طرف مائل کرتا ہے اور وہ بد نظری کے مرتکب ہوتے ہیں۔

چونکہ عورتوں میں آرائش و خود نمائی کا شوق جلدی پروان چڑھتا ہے اور یہ شوق اگر مخصوص اسلامی حدود کا پابند نہ رہے تو معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی پھیلنے لگتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو نگاہ کی حفاظت، عصمت و پارسائی کی حفاظت اور بناؤ سنگھار چھپانے کے احکام دینے کے بعد مزید تاکید فرمائی کہ وہ اپنی چادریں یا دوپٹے اپنے سینوں پر اوڑھے رکھیں تاکہ آوارہ لوگوں کی ہوسناک نظروں سے محفوظ رہیں اور معاشرے کی پاکیزگی بھی قائم رہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سر، گردن اور سینہ چھپانا فرض ہے۔ عورتوں کو چاہیے کہ وہ دبیز کپڑے کے دوپٹے یا چادریں سروں پر اس طرح اوڑھیں کہ انکا ایک حصہ پشت پر رہے اور دوسرا سینے پر۔ اس طرح سر کے بالوں کی رنگت بھی نظر نہیں آئے گی اور کمر، گردن، کان، گلا اور سینہ بھی عریاں نہ رہیں گے۔ بقول مفتی صاحب، ”گویا مسلمان

عورت، عفت و عصمت اور پارسائی کی ایک چلتی پھرتی تصویر اور شرم و حیا کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہو، شرم کا مجسمہ، حیا کی پتلی۔“

آپ مزید لکھتے ہیں، بعض روایات میں آیا ہے کہ (ان آیات کے نازل ہونے پر) ان عورتوں نے باریک کپڑے چھوڑ کر اپنے موٹے موٹے اوڑھے جانے کے قابل کپڑوں سے اپنے لیے دوپٹے بنا کر سروں پر اوڑھے۔ (احکام القرآن) دوپٹے یا اوڑھنی کے اس طرح اوڑھنے میں جو حکمت ہے وہ ہے اسلامی معاشرے میں بیش از بیش پاکیزگی اور عفت شعاری کا رواج۔

یہ اگر ذہن نشین رہے تو یہ بات بآسانی آدی سمجھ سکتا ہے کہ ایسے باریک گھاس پھوس دوپٹوں کا استعمال جن سے بالوں کی رنگت اور سینہ وغیرہ کی ساخت جھلکے، جو مقصدِ شرع کو پورا نہیں کرتے، تو انکا پہننا نہ پہننا برابر ہے۔ پھر بھی رسول اللہ ﷺ کی شریعتِ مطہرہ نے اسے ہماری کج معقول فہم پر نہ چھوڑا بلکہ صاف تصریح فرمادی۔

ابوداؤد شریف میں حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مصر کی باریک ململ آئی۔ آپ نے ایک ٹکڑا اس میں سے مجھے دیا اور فرمایا، ”ایک حصہ کا اپنے لیے کرتا بنا لو اور ایک حصہ اپنی بیوی کو دے دو کہ وہ دوپٹہ بنالے۔ مگر اسے یہ جتا دینا کہ اسکے نیچے ایک اور کپڑا لگا لے تاکہ جسم کی ساخت اس سے نہ جھلکے۔“

(چادر اور چار دیواری، ص ۱۲۶)

آقا و مولیٰ ﷺ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے فرمایا، ”عورت جب بالغ ہو جائے تو اسکے جسم کا کوئی حصہ سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے نظر نہ آئے۔“ (ابوداؤد) اسی طرح عورتوں کو چست کپڑے پہننا، جن سے جسم کا نقشہ کھینچ جائے اور اعضاء کی ہیئت نمایاں ہو، بالکل ناجائز اور ایسی حالت میں مردوں کو انکی طرف دیکھنا حرام ہے۔

پنجیم: زمانہء جاہلیت میں عورتیں پازیب وغیرہ پہن کر جب مردوں کے قریب سے گزرتیں تو دانستہ اپنے پاؤں زمین پر مارتیں تاکہ مرد اس آواز کو سن کر انکی طرف متوجہ ہوں۔ اسلام نے ایسی تمام ذلیل و اشتعال انگیز حرکات پر پابندی لگا دی جو معاشرے میں بے حیائی پھیلانے کا سبب بن سکتی ہیں۔ نیز مسلمان خواتین کو یہ تعلیم دی کہ اگر کبھی شرعی عذر کی بنا پر گھر سے باہر نکلنا پڑے تو شریعتِ مطہرہ کے مطابق ستر پوشی کر کے وقار و سنجیدگی کے ساتھ نکلنا اور ہر اس چیز سے بچنا جو نامحرموں کو تمہاری طرف متوجہ و مائل کرنے کا باعث ہو۔

آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، ”وہ عورت جو بن سنور کر نامحرموں میں اتر اتر کر چلتی ہے وہ قیامت کے دن مجسم تاریکی کی مثل ہوگی جہاں روشنی کی کوئی کرن تک نہ ہو۔“ (ترمذی)

مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی فرماتے ہیں، ”حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کی دعا قبول نہیں کرتا جس کی عورتیں جھانجن (آواز والا زیور) پہنتی ہوں۔“ اس سے یہ سمجھنا چاہیے کہ جب زیور کی آواز دعا قبول نہ ہونے کا سبب ہے تو خاص عورت کی آواز اور اسکی بے پردگی کیسی تباہی کا باعث ہوگی؟“۔ (سنی بہشتی زیور حصہ دوم ص ۲۰۲)

آپ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں، ”آیت کریمہ کا طرزِ خطاب صاف بتا رہا ہے کہ یہ ممانعت صرف پاؤں میں پہننے والے زیورات کی آواز تک محدود نہیں بلکہ اس سے مقصود ہر ایسی حرکت، ہر ایسے اقدام اور ہر ایسے فعل سے روک دینا ہے جو اجنبی مردوں کی رغبت اور دلکشی کا باعث ہو اور جو عورتوں کو نامحرموں کی توجہ و التفات کا مرکز بنا دے۔ اسی لیے شوخ رنگ، بھڑک دار لباس استعمال کر کے یا تیز خوشبو لگا کر عورتوں کا مجمع عام میں جانا، یا ایسے چست ملبوسات زیب تن کر کے اجنبیوں میں گزرنا جن سے بدن کی ساخت نمایاں ہو، شریعتِ مطہرہ کو ایک آنکھ، ایک آن کے لیے پسند و گوارا نہیں۔ چنانچہ نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے عورتوں کو حکم دیا کہ ”وہ خوشبو لگا کر گھروں سے باہر نہ نکلیں حتیٰ کہ مسجدوں میں بھی تیز خوشبو لگا کر نماز پڑھنے کے لیے نہ جائیں۔“

ابوداؤد وابن ماجہ میں مروی ہے کہ ایک عورت مسجد سے نکل کر جا رہی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اسکے پاس سے گذر ہوا تو آپ نے اسے روک کر دریافت فرمایا، اے خداوندِ جبار کی بندی! کیا تو مسجد سے آرہی ہے؟ عرض کیا، جی ہاں۔ ارشاد فرمایا، میں نے اپنے محبوب اکرم ابوالقاسم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عورت کی نماز قبول نہیں فرماتا جو مسجد میں تیز خوشبو لگا کر جائے، جب تک وہ گھر آ کر غسل جنابت نہ کر لے۔“

امام ترمذی نے روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا، ”جو عورت عطر لگا کر (یعنی کسی تیز خوشبو میں خود کو بسا کر) مردوں کے مجمع سے گزرے تاکہ لوگ اسکی خوشبو سے لطف اندوز ہوں (اور ظاہر ہے کہ تیز خوشبوؤں میں بس کر مردوں میں سے گزرنا اسی مقصد سے ہوتا ہے) تو وہ عورت ایسی اور ایسی (یعنی زانیہ) ہے۔“

مذکورہ آیت کریمہ سے یہ بات بھی مستنبط ہوتی ہے کہ جب زیور کی آواز کا غیروں کے کانوں تک پہنچانا شریعتِ مطہرہ کو ہرگز پسند نہیں، بلکہ وہ اسکے چھپانے کا اس قدر اہتمام کرتی ہے تو خود اسکی آواز کا غیروں کے کانوں سے ٹکرانا کس قدر نا پسندیدہ ہوگا، پھر جب اسکی آواز چھپانے کے قابل ہے تو صورت کیونکر چھپانے کے قابل نہ ہوگی کہ اصل فتنہ کا باعث تو شکل و صورت ہی ہے۔

اللہ! عفت و پارسائی اور پاکدامنی کا کس قدر اہتمام ہماری شریعتِ مطہرہ میں ہے اور فتنہ و شر کے کیسے کیسے دروازوں، درازوں اور سوراخوں کو ہماری شریعتِ کاملہ نے بند کر دیا ہے۔ ایک طرف تو یہ احتیاطیں اور پابندیاں ہیں اور دوسری طرف گانے اور طرح طرح کے سریلے باجوں کے ساتھ گانے ہی کی نہیں بلکہ مرد و عورت کے مشترکہ ناچ کی آزادیاں ہیں! دونوں زندگیوں کے نتائج بالکل ظاہر ہیں۔“

☆ چہرے کے پردے کی شرعی حیثیت ☆

سوال: بعض خواتین کہتی ہیں کہ چہرے کا پردہ کرنے کا قرآن وحدیث میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ آپ فرمائیے کہ موجودہ دور کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے پردے کے احکام پر کس حد تک عمل کیا جانا چاہیے؟

جواب: پہلی بات تو یہ ذہن نشین رکھیے کہ ہمیں دین اسلام کے مطابق عمل کرنا چاہیے نہ یہ کہ ہم دین اسلام کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی آرزو کریں۔

باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے، ”جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بیشک صریح گمراہی میں بہکا“۔ (الاحزاب: ۳۶، کنز الایمان)

دوسری جگہ یہ حکم فرمایا گیا، ”اور جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو“۔ (الحشر: ۷، کنز الایمان)

قبل ازیں سورہ نور میں ستر عورت سے متعلق احکام بیان کیے گئے اب ہم خاص حجاب سے متعلق گفتگو کرتے ہیں تاکہ ان خواتین کی غلط فہمی دور ہو جائے جو کہتی ہیں کہ چہرے کے پردے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ رب کریم حق کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے آمین۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ”اے (غیب بتانے والے) نبی! اپنی بیبیوں اور صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں، یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ انکی پہچان ہو تو ستائی نہ جائیں“۔ (الاحزاب: ۵۹، کنز الایمان)

یہاں ضمنی بات عرض کرتا چلوں کہ بعض جہلاء اور اہل بیت اطہار کے دشمن صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بنت رسول ہونے کے مدعی ہیں اور نبی کریم ﷺ کی دیگر تین صاحبزادیوں کا انکار کرتے ہیں۔ مذکورہ آیت کریمہ پر غور کیجیے اس میں لفظ ”بَنَاتِکَ“ آیا ہے۔ قرآن کریم نے بنت (ایک بیٹی) نہیں کہا بلکہ جمع کا لفظ بنات استعمال فرمایا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ کی ایک سے زیادہ صاحبزادیاں تھیں۔ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۰۲، طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۳۳، الاستیعاب ج ۲ ص ۷۱۸)

شیعہ فرقہ کی معتبر ترین کتاب اصول کافی سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ ”حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے بطن سے حضور کی یہ اولاد پیدا ہوئی بعثت سے پہلے قاسم، رقیہ، زینب، ام کلثوم، اور بعثت کے بعد طیب، طاہر اور فاطمہ علیہا السلام“۔

(اصول کافی ج ۱ ص ۳۳۹ مطبوعہ تہران)

۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ مذکورہ آیت کی تفسیر میں سید المفسرین سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، اپنی چادریں اپنے چہروں پر لٹکائیں یعنی چہرہ چھپالیں اور چادروں کو اس طرح اوڑھیں کہ سینہ، شکم، پشت اور گلا ڈھکا رہے، یہ اسلیے بہتر ہے کہ وہ پہچانی جائیں کہ بدکار نہیں ہیں۔ (تنویر المقیاس زیر آیت ہذا)

حضرت قتادہ، ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم اور ابن مردودہ رحمہم اللہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ علامہ ابوبکر بھصا رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جوان عورتوں کو نامحرموں سے چہرہ چھپانے کا حکم ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۳۵۸)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں،

یہ حکم اس لیے دیا گیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ بدکار عورتیں نہیں ہیں کیونکہ جو عورت چہرہ چھپا رہی ہے حالانکہ یہ ستر میں داخل نہیں تو اس سے یہ توقع کیے کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنا ستر غیر کے سامنے ظاہر کرنے پر راضی ہوگی۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۵۹۱)

ان دلائل سے ثابت ہو گیا کہ مسلمان عورتیں جب کسی شرعی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلیں تو انکا سارا جسم کسی بڑی چادر یا برقعہ سے ڈھکا ہوا ہونا چاہیے، چہرہ بھی حجاب میں چھپا ہوا ہو، صرف آنکھیں کھلی رکھنے کی اجازت ہے جیسا کہ حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ نے حضرت عبیدۃ السلمانی رضی اللہ عنہ سے (جو فقیہ تابعی تھے) روایت کیا ہے۔ علامہ ابن حبان فرماتے ہیں کہ اندلس میں مسلمان عورتیں اس طرح پردہ کرتی ہیں کہ انکا سارا چہرہ چھپا ہوتا ہے صرف ایک آنکھ کھلی ہوتی ہے۔ (بحر محیط)

موجودہ دور کے حالات و واقعات کے تناظر میں دیکھا جائے تو عورت کو شدید مجبوری کے سوا گھر سے باہر نکلنا ہی نہیں چاہیے، اسی میں عورت کی بھلائی اور عصمت و آبرو کی سلامتی ہے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے، ”اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بے پردہ نہ رہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی“۔ (الاحزاب: ۳۳، کنز الایمان)

اگلی جاہلیت سے مراد اسلام سے قبل کا زمانہ ہے، اس زمانہ میں عورتیں اتراتی نکلتی تھیں اور اپنی زینت و محاسن کا اظہار کرتی تھیں تاکہ غیر مرد دیکھیں۔ لباس ایسے پہنتی تھیں جس سے جسم کے اعضاء اچھی طرح نہ ڈھکیں اور پچھلی جاہلیت سے آخری زمانہ مراد ہے جس میں لوگوں کے افعال پہلوں کی مثل ہو جائیں گے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں بنو تمیم قبیلے کی چند عورتیں آئیں جنہوں نے باریک لباس پہنا ہوا تھا آپ نے ان سے فرمایا، اگر تم ایمان والی عورتیں ہو تو جان لو کہ یہ لباس مومن عورتوں کا نہیں ہے اور اگر تم مومن نہیں ہو تو پھر جو چاہو کرو۔ (تفسیر قرطبی) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد گرامی بھی پیش نظر رکھیے کہ جب ان سے

پوچھا گیا، عورتوں کے لیے کون سی بات سب سے بہتر ہے؟ تو آپ نے فرمایا، ”ندوہ غیر مردوں کو دیکھیں اور نہ ہی غیر مرد انہیں دیکھیں۔“

(سنی بھشتی زیور ص ۲۰۴ بحوالہ دارقطنی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ امام فقیہ ابواللیث اور فتح القدیر وغیرہ کتب فقہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کو سات مواقع پر گھر سے نکلنے کی اجازت دے۔

۱۔ والدین یا ان میں سے کسی سے ملاقات (ہفتہ میں ایک بار دن بھر کے لیے) ۲۔ ان کی عیادت، ۳۔ ان کی تعزیت، ۴۔ دیگر محرم رشتہ داروں سے ملاقات (سال میں ایک بار، دن ہی کے وقت میں)، ۵۔ اگر دایہ ہو یا ۶۔ مردہ نہلانے والی ہو یا ۷۔ اسکا کسی دوسرے پر حق ہو یا دوسرے کا اس پر حق ہو۔

ان آخری تین صورتوں میں بااجازت اور ضرورتاً بلا اجازت بھی نکل سکتی ہے، حج بھی اسی حکم میں ہے ان مواقع کے علاوہ اجنبیوں (اور غیر محرم رشتہ داروں) کی ملاقات، انکی عیادت اور انکے یہاں غمی یا شادی میں شرکت کے لیے شوہر اجازت نہ دے اگر اجازت دی تو دونوں گناہگار ہوں گے۔ (جمل النور فی نبی النساء عن زیارة القبور) اب قرآن و سنت سے پیش کردہ دلائل کی روشنی میں پردے سے متعلق احکام کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ خواتین جب کسی شرعی ضرورت سے باہر نکلیں تو پہلے اپنا جسم کسی بڑی چادر یا برقعہ سے اچھی طرح ڈھانپ لیں اور چہرہ بھی چھپالیں، صرف آنکھیں کھلی رکھنے کی اجازت ہے۔

۲۔ یہ بھی خیال رکھیں کہ انکا بناؤ سنگھار کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ اس میں ہر وہ چیز آ جاتی ہے جو غیر مردوں کے لیے عورت کی طرف رغبت کا باعث ہو جیسے خوشبو، زیور، ناز واداسے چلنا اور پردے کے لیے اوڑھی گئی چادر کا منقش و جاذب نظر ہونا وغیرہ کہ یہ سب باتیں مردوں کو متوجہ کرنے کا باعث ہوتی ہیں۔

۳۔ عورت کہیں تنہا نہ جائے اسکے ساتھ محرم ہونا چاہیے۔ شریعت مطہرہ نے حج جیسی عظیم عبادت کی ادائیگی کے لیے بھی عورت کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ اس پر فتن دور میں احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ عورت گھر سے باہر کہیں بھی جائے محرم ساتھ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے، جب کوئی مرد غیر عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے وہاں تیسرا شیطان ضرور ہوتا ہے۔ (ترمذی) یعنی مرد و عورت کی تنہائی میں ملاقات کے وقت شیطان ضرور اثر انداز ہوتا ہے۔

مجدد دین و ملت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ اپنے ایک فتوے میں فرماتے ہیں، فتنہ وہی نہیں کہ عورت کے دل سے پیدا ہو، وہ بھی ہے اور سخت تر ہے جس کا فاسقوں سے عورت پر اندیشہ ہو، یہاں عورت کی صلاح کیا کام دے گی؟ (جمل النور)

دوسری جگہ فرماتے ہیں، ”سلمیٰ پارسا ہے ہاں! پارسا ہے و بَارک اللہ (اللہ اسکی پارسائی میں برکت دے) مگر جانِ برادر! کیا پارسائیں معصوم ہوتی ہیں؟ کیا صحبتِ بڑ میں اثر نہیں؟..... عورت کا عورت کے ساتھ ہونا زیادتِ عورت ہے نہ کہ حفاظت کی صورت، سونے پر جتنا سونا بڑھاتے جائے محافظ کی ضرورت ہوگی نہ یہ کہ ایک توڑا دوسرے کی نگہداشت کرے۔“ (مروج النساء لخروج النساء)

۴۔ عورت کسی نامحرم کے ساتھ نہ چھوئے اسلیے عورت کسی ایسی جگہ ہرگز نہ جائے جہاں مرد و عورت کا آزادانہ اختلاط ہو اور ہجوم کے باعث نامحرموں سے جسم ٹکرانے کا احتمال ہو۔ حضرت ابواسید انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا، ”تم راستے کے درمیان میں نہ چلو بلکہ کناروں پر چلا کرو۔“ اس ارشاد مبارک کے بعد عورتیں دیواروں کے ساتھ چلتیں یہاں تک کہ انکے کپڑے دیواروں کے ساتھ لگ رہے ہوتے تھے۔ (ابوداؤد)

۵۔ عورت کی آواز اور لہجہ کی قدرتی نرمی اور نزاکت مرد کی نفسانی خواہشات ابھارنے کا باعث بن سکتی ہے۔ اسلیے عورتوں کو چاہیے کہ جب کسی نامحرم سے کسی حقیقی ضرورت کے تحت گفتگو کرنی پڑے تو پوری احتیاط سے سادہ لہجے میں بقدر ضرورت بات کریں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ”اگر اللہ سے ڈرو تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا روگی کچھ لالچ کرے، ہاں اچھی بات کہو۔“ (الاحزاب: ۳۲، کنز الایمان)

صدرالافاضل فرماتے ہیں، اگر کسی ضرورت کے تحت غیر مرد سے پس پردہ گفتگو کرنی پڑے تو کوشش کرو کہ لہجے میں نزاکت نہ آنے پائے اور بات میں لوج نہ ہو، بات نہایت سادگی سے کی جائے، عفت مآب خواتین کے لیے یہی شایان ہے۔ (خزان العرفان)

☆ کیا بے پردگی ہماری ضرورت ہے؟ ☆

سوال: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ دور میں بے پردگی ہماری ضرورت بن چکی ہے، مخلوط محافل میں لڑکیوں کو آرائش و زینت کے ساتھ لے کر جائیں گے تو انکے لیے رشتے آئیں گے، ویسے بھی چادر یا دوپٹہ نہ لینا کوئی کفر و اسلام کا مسئلہ تو نہیں ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں اس خیال کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: سب سے پہلے تو یہ جان لیجیے کہ شریعت مطہرہ کے کسی بھی حکم کی توہین یا اسے ہلکا جاننے کا کیا حکم ہے! صدر الشریعہ لکھتے ہیں، ”کسی شخص کو شریعت کا حکم بتایا کہ اس معاملہ میں یہ حکم ہے، اس نے کہا، ہم شریعت پر عمل نہیں کریں گے ہم تو رسم کی پابندی کریں گے۔ ایسا کہنا بعض مشائخ کے نزدیک کفر ہے۔“

(بہار شریعت جلد اول حصہ نہم ص ۱۳۲ بحوالہ فتاویٰ عالمگیری)

اب شرم و حیا اور غیرت کے متعلق قرآن و سنت کے انوار ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا،

”تم فرماؤ میرے رب نے تو بے حیائیاں حرام فرمائیں جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی“۔ (الاعراف: ۳۳، کنز الایمان)

حبیب کبریاء ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ”غیرت ایمان کی علامت ہے اور بے غیرتی نفاق کی نشانی ہے“۔ (بیہقی)

دوسری جگہ ارشاد ہوا، ”اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں اسی لیے اس نے ظاہری و پوشیدہ ہر قسم کی بے حیائیوں کو حرام فرما دیا ہے“۔ (بخاری، مسلم)

ایک اور حدیث پاک میں فرمایا گیا، ”ایمان اور حیا دونوں ساتھی ہیں جب ایک یعنی حیا چلی جائے تو دوسرا یعنی ایمان بھی چلا جاتا ہے“۔ (مشکوٰۃ)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ایمان والے غیرت مند ہوتے ہیں اور غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ ظاہر و پوشیدہ تمام بے حیائیوں سے نفرت کی جائے اور بے پردگی تو ایسی کھلی بے حیائی ہے کہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا، ”(بلا عذر شرعی) نامحرم کو دیکھنے والے پر اور جسے دیکھا جائے اس پر بھی (جبکہ وہ قصداً خود کو دکھائے) دونوں پر اللہ کی لعنت ہے“۔ (مشکوٰۃ)

مفتی محمد خلیل خاں قادری فرماتے ہیں، ”کہاں تو شریعت مطہرہ کی یہ تاکید کہ عورت ہلکی خوشبو استعمال کرے کہ تیز خوشبو سے غیر مرد اسکی جانب متوجہ ہونگے اور کہاں بیباکی و خودنمائی کی یہ نمائش کہ آدھے سر کے بال اور کلائیوں اور کچھ حصہ گلے یا پنڈلی کا کھلا رہنا تو گویا کوئی عیب ہی نہیں۔ اور زیادہ بانگن ہوا، نمائش کا شوق بڑھا تو دوپٹہ ڈھلکا ہوا، کریب یا جالی یا باریک ململ یا نازک وائل یا اور ایسے ہی کپڑوں کا لباس، کرتے قمیص، جمپر فرائڈ جس سے بدن کی رنگت چمکے اور اسی حالت میں انکا غیروں میں جانا، اجنبیوں میں پھرنا، غیر مردوں کے ساتھ بازاروں اور عام گزرگاہوں میں خرید و فروخت کرنا؛ کہاں تو عورتوں کا اپنے محلہ کی مسجد میں گھر کے دروازے پر دو قدم کے فاصلے پر جانا ممنوع و ناجائز اور کہاں سیر تماشے، باجے تاشے کی محفلوں میں مجلسوں میں بڑھتی ہوئی بے حیائیاں اور پروان چڑھتی آوارگیاں! کہاں تو حدیث میں غیروں کے گھر تو غیروں کے گھر، جہاں نہ اپنا قابو نہ اپنا گذر، اپنے مکانوں کی نسبت آیا کہ ”عورتوں کو بالا خانوں (اوپری منزل) پر نہ رکھو“ کہ نامحرموں کی نظریں ان پر یا انکی نظریں ان پر پڑیں گی، اور کہاں سینما، تھیٹر، پاپ گھر اور پارکوں کلبوں میں یہ عریانیاں اور بدالحاظیاں۔

خیالی روشنی، روشن خیالی آج کل کی ہے

دلوں سے سلب اس نے کر لیا ہے نورِ ایمانی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ”دوزخیوں میں دو گروہ ہیں۔ ان میں ایک ان عورتوں کا ہے جو بظاہر تو کپڑے پہنتی ہیں مگر حقیقت میں ننگی ہیں یعنی اس قدر باریک اور ایسی لا پرواہی سے کپڑے پہنتی ہیں کہ انکا بدن چمکتا ہے اور کہیں سے کھلا ہوتا ہے کہیں سے چھپا ہوا۔ وہ خود بھی دوسرے مردوں کی طرف رغبت کرتی ہیں (کہ بناؤ سنگھار کر کے دوسروں کا دل لبھاتی یا سر سے دوپٹہ اتار ڈالتی ہیں تاکہ دوسرے انکا چہرہ دیکھیں) اور مٹک مٹک کر چلتی ہیں (تاکہ دوسروں کو فریفتہ اور اپنی طرف مائل کریں) یہ عورتیں ہر گز جنت میں داخل نہ ہوں گی اور جنت کی خوشبو بھی نہ پائیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو بہت دور سے معلوم ہو جاتی ہے اور دور دور تک پھیلتی ہے“۔ (مشکوٰۃ)

(سنی بھشنی زیور حصہ دوم ص ۲۰۶، ۲۰۷)

ہمارے معاشرے میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو اپنی بیوی کے کہنے پر خلاف شرع کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں اور اپنی بیوی اور بیٹیوں کی بے پردگی پر راضی ہو کر غیرتِ ایمانی سے محروم ہو جاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورتوں پر حاکم بنا کر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ بعض جگہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بیوی نیک ہے اور غیرتِ ایمانی سے محروم شوہر اسے بے پردگی پر مجبور کرتا ہے ایسے شخص کو رحمتِ عالم ﷺ نے دیوث کہا اور فرمایا کہ دیوث پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (مشکوٰۃ)

اکبر الہ آبادی نے خوب کہا ہے،

بے پردہ جو کل نظر آئیں چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا؟
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

سوال میں مذکور خیال کہ بیٹیوں کو زیب و زینت کے ساتھ بے پردہ رکھنے سے رشتے آتے ہیں، شیطان کا دھوکہ ہے۔ اگر محض اس قسم کی نفسانی خواہشات اور لغو تاویلات کے ذریعے حرام کو حلال کیا جانے لگے تو پھر شرعی احکام بدلنے کا کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہو جائے گا۔ مزید یہ کہ جس شادی کے لیے بنیاد حرام کام پر رکھی جا رہی ہو اسکے بارے میں تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ:

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا!

ہاں البتہ اچھے رشتے کے لیے شریعتِ مطہرہ کے مطابق ضرور کوشش کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا ہے وہ ضرور ملے گا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ رحمۃ القوی فرماتے ہیں،

”دلہن کو سجانا تو مسلمانوں میں قدیم سے رائج اور بہت سی احادیث سے ثابت ہے بلکہ کنواری لڑکیوں کو زیور و لباس سے آراستہ رکھنا کہ انکے رشتے آئیں یہ بھی سنت ہے بلکہ عورت کا قدرت رکھنے کے باوجود بالکل بے زیور رہنا مکروہ ہے کہ یہ مرد سے مشابہت ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عورت کا بے زیور نماز پڑھنا مکروہ جانتیں اور فرماتیں کہ کچھ اور نہ ملے تو ڈورا ہی گلے میں باندھ لے۔ بچنے والا زیور عورت کے لیے اس حالت میں جائز ہے کہ نامحرموں جیسے خالہ ماموں چچا پھوپھی کے بیٹوں، جیٹھ، دیور، بہنوئی کے سامنے نہ آتی ہو اور نہ اسکے زیور کی جھنکار نامحرم تک پہنچے۔“ (فتاویٰ رضویہ)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کنواری لڑکیوں کو زیور اور عمدہ لباس سے آراستہ رکھنے کی تلقین اس لیے فرمائی کہ خاندان کی دیگر خواتین انہیں دیکھیں گی تو اپنے لڑکوں کے لیے رشتہ کا پیغام دیں گی یا دیگر ملنے والوں کو اس طرف مائل کریں گی اور شرفاء کے ہاں اسی طرح رشتے طے کیے جاتے ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ کیا شادی سے قبل لڑکا لڑکی کو دیکھ سکتا ہے؟ اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے قرآن و حدیث سے چند دلائل پیش خدمت ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ”عورتوں میں سے جو پسند آئے اس سے نکاح کرو“۔ (النساء: ۳۰) اس آیت کریمہ سے اشارتاً دیکھنے کی اجازت ملتی ہے کیونکہ پسند کرنا دیکھنے پر منحصر ہے۔

اسکی تائید مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک انصاری عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا، ”اسے دیکھ لو“۔ (مسلم)

آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، ”جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیغام دینے لگے تو اگر اسکو دیکھنا ممکن ہو تو ضرور دیکھ لے۔“ (ابوداؤد) ایک صحابی سے سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، ”تم جس سے نکاح کرنا چاہتے ہو اسے دیکھ لو، اس طرح تمہارے درمیان محبت و الفت بڑھے گی۔“ (ترمذی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نکاح سے قبل عورت کی دینداری، پارسائی اور حسب نسب کے علاوہ صورت کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے اور اسکے لیے عورت کو شادی سے قبل دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ شادی کے بعد اگر وہ پسند نہ آئی تو زندگی تلخ ہو جائے گی۔ لہذا عام حالات میں شرعی حکم یہی ہے کہ نامحرم کو نہ دیکھا جائے لیکن شادی کے بعد کی تلخیوں فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے شریعت نے اتنی گنجائش رکھی ہے کہ جب عورت کی پارسائی، دینداری اور حسب نسب کے متعلق اطمینان ہو جائے تو عورت کو ایک نظر دیکھ لیا جائے اور دیکھنے میں بھی عورت کی شرم و حیا اور اپنے غیرت و وقار کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

ضمناً یہ بات عرض کرنا ضروری ہے کہ بعض لوگ غربت یا مال کی کمی کے باعث شادی نہیں کرتے۔ لڑکی والے مالدار لڑکا چاہتے ہیں تو لڑکے والے بھی زیادہ جہیز والی لڑکی تلاش کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ”عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے مال و دولت، حسب نسب، حسن و جمال اور دینداری۔ تمہیں چاہیے کہ دینداری کو ترجیح دو۔“

(بخاری، مسلم)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو نکاح کا حکم فرمایا ہے اسکی اطاعت کرو، اس نے جو غنی کرنے کا وعدہ کیا ہے پورا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ”اگر وہ فقیر ہونگے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔“ (النور: ۳۳)

(بہارِ شریعت حصہ ہفتم ص ۲ بحوالہ ابن ابی حاتم)

اب رہا یہ سوال کہ کیا شادی سے قبل لڑکا لڑکی کو دیکھ سکتا ہے؟ اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے قرآن و حدیث سے چند دلائل پیش خدمت ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ”عورتوں میں سے جو پسند آئے اس سے نکاح کرو“۔ (النساء: ۳۰)

اس آیت کریمہ سے اشارتاً دیکھنے کی اجازت ملتی ہے کیونکہ پسند کرنا دیکھنے پر منحصر ہے۔ اسکی تائید مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک انصاری عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا، ”اے دیکھ لو“۔ (مسلم)

آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، ”جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیغام دینے لگے تو اگر اسکو دیکھنا ممکن ہو تو ضرور دیکھ لے“۔ (ابوداؤد) ایک صحابی سے سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، ”تم جس سے نکاح کرنا چاہتے ہو اسے دیکھ لو، اس طرح تمہارے درمیان محبت و الفت بڑھے گی“۔ (ترمذی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نکاح سے قبل عورت کی دینداری، پارسائی اور حسب نسب کے علاوہ صورت کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے اور اسکے لیے عورت کو شادی سے قبل دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ شادی کے بعد اگر وہ پسند نہ آئی تو زندگی تلخ ہو جائے گی۔ لہذا عام حالات میں شرعی حکم یہی ہے کہ نامحرم کو نہ دیکھا جائے لیکن شادی کے بعد کی تلخیوں، فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے شریعت نے اتنی گنجائش رکھی ہے کہ جب عورت کی پارسائی، دینداری اور حسب نسب کے متعلق اطمینان ہو جائے تو عورت کو ایک نظر دیکھ لیا جائے اور دیکھنے میں بھی عورت کی شرم و حیا اور اپنے غیرت و وقار کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

ضمناً یہ بات عرض کرنا ضروری ہے کہ بعض لوگ غربت یا مال کی کمی کے باعث شادی نہیں کرتے۔ لڑکی والے مالدار لڑکا چاہتے ہیں تو لڑکے والے بھی زیادہ جہیز والی لڑکی تلاش کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ”عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔ مال و دولت، حسب نسب، حسن و جمال اور دینداری۔ تمہیں چاہیے کہ دینداری کو ترجیح دو“۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو نکاح کا حکم فرمایا ہے اسکی اطاعت کرو، اس نے جو غنی کرنے کا وعدہ کیا ہے پورا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ”اگر وہ فقیر ہو گئے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا“۔ (النور: ۳۳)

(بہارِ شریعت حصہ ہفتم ص ۲ بحوالہ ابن ابی حاتم)

باب چہارم: غیر شرعی رسمیں

☆ شادی بیاہ کی رسمیں ☆

سوال: آج کل شادی بیاہ کے مواقع پر مختلف رسمیں رائج ہو گئی ہیں مثلاً پھولوں کا سہرا، اُٹن مایوں، مہندی، بری، بندوق سے فارنگ، آتھ بازی پٹا خے، ویڈیو فلم اور گانا بجانا۔ قرآن و سنت کی روشنی میں ان رسوم و رواج کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: صدر الشریعہ فرماتے ہیں، رسوم کی بنا عرف پر ہے، یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ یہ شرعاً واجب یا سنت یا مستحب ہیں لہذا جب تک کسی رسم کی ممانعت شریعت سے ثابت نہ ہو اس وقت تک اسے حرام یا ناجائز نہیں کہہ سکتے؛ مگر یہ ضرور ہے کہ رسوم کی پابندی اس حد تک کر سکتا ہے کہ کسی حرام فعل میں مبتلا نہ ہو۔

بعض لوگ اس قدر پابندی کرتے ہیں کہ ناجائز فعل کرنا پڑے تو پرواہ نہیں مگر رسم کا چھوڑنا گوارہ نہیں۔ مثلاً لڑکی جوان ہے اور رسوم ادا کرنے کو روپیہ نہیں تو یہ نہ ہوگا کہ رسمیں چھوڑ دیں اور نکاح کر دیں کہ سبکدوش ہوں اور فتنہ کا دروازہ بند ہو۔ اب رسوم کے پورا کرنے کو بھیک مانگتے، طرح طرح کی فکریں کرتے ہیں اس خیال میں کہ کہیں سے قرض مل جائے تو شادی کریں برسوں گزار دیتے ہیں اور یوں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ (بہارِ شریعت حصہ ہفتم ص ۶۹)

اب ہم ان امور کا جائزہ لیتے ہیں جو سوال میں مذکور ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے رسوم کے متعلق دو اہم قواعد بیان فرمائے ہیں جن کا سمجھنا ضروری ہے۔ آپ فرماتے ہیں، شرع شریف کا قاعدہ ہے کہ جس چیز کو خدا اور رسول اچھا بتائیں وہ اچھی ہے اور جسے برا فرمائیں وہ بری، اور جس سے سکوت فرمائیں یعنی شرع میں نہ اسکی خوبی بیان ہوئی نہ برائی، وہ اباحتِ اصلیہ پر رہتی ہے کہ اسکے فعل و ترک میں ثواب نہ عتاب۔

دوم: کسی سے مشابہت کی بنا پر کسی فعل کی ممانعت اسی وقت صحیح ہے کہ جب فاعل کا ارادہ مشابہت کا ہو، یا وہ فعل اہل باطل کا شعار و علامت خاصہ ہو

جسکے سبب وہ پہچانے جاتے ہوں۔ یا اگر خود اس فعل کی مذمت شرع مطہر سے ثابت ہو تو اسے برا کہا جائے گا ورنہ ہرگز نہیں، اور پھولوں کا سہرا ان سب باتوں سے پاک ہے لہذا جائز ہے۔ (ہادی الناس فی رسوم الاعراس)

دولہا دلہن کو ابٹن لگانا، مائیوں بٹھانا جائز ہے (بشرطیکہ کوئی اور خلاف شرع امور جیسے گانا بجانا اور نامحرموں سے اختلاط وغیرہ نہ پائے جائیں)۔ دولہا کو مہندی لگانا، ناجائز ہے۔ ڈال بری کی رسم کہ کپڑے وغیرہ بھیجے جاتے ہیں جائز ہے البتہ دولہا کو ریشمی کپڑے پہننا پہنانا حرام ہے۔

(بہار شریعت حصہ ہفتم ص ۷۱)

فی زمانہ صرف مہندی کی رسم پر لاکھوں خرچ کر دیے جاتے ہیں جو کہ اسراف و حرام ہے پھر اس موقع پر عورتوں کا بن سنور کر بے پردہ نامحرموں کے سامنے آنا حرام..... مزید یہ کہ گانا بجانا ہوتا ہے وہ بھی حرام..... ستم بالائے ستم یہ کہ ان تمام خرافات کی ویڈیو فلم بنائی جاتی ہے تاکہ بے پردہ عورتوں کے ناچ گانے اور دیگر بے حیائیاں جب دل چاہے دیکھی جائیں، ظاہر ہے کہ یہ ویڈیو فلم بنانا اور بنوانا بھی حرام و سخت گناہ کا باعث ہیں۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، نکاح کے اعلان کی خاطر بندوق سے چند فائر کرنا جائز ہے جبکہ کھیل کود یا فخر و مستی کے طور پر جائز نہیں۔ آتھبازی جس طرح شادیوں اور شب برات میں رانج ہے بیشک حرام اور پورا جرم ہے کہ اسمیں مال کا ضیاع ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو شیطان کے بھائی فرمایا گیا، ارشاد ہوا، ”اور فضول نہ اڑا، بیشک (مال) اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں“۔ (بنی اسرائیل)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ماثبت بالسنتہ میں فرماتے ہیں، ”ہندوستان کے اکثر شہروں میں لوگ کھیل تماشے کے لیے آتھبازی کرتے ہیں اور پٹاخے چھوڑتے ہیں، یہ بہت بری بدعتوں میں سے ہے۔“

ناچ اور گانے بجانے کی رسم کے متعلق صدر الشریعہ مولانا امجد علی قادری قدس سرہ فرماتے ہیں، اکثر جاہل گھرانوں میں رواج ہے کہ محلہ کی یارشتہ دار عورتیں جمع ہوتی ہیں اور گاتی بجاتی ہیں یہ حرام ہے۔ اول ڈھول بجانا ہی حرام پھر عورتوں کا گانا، مزید برآں عورتوں کی آواز نامحرموں کو پہنچنا اور وہ بھی گانے کی اور وہ بھی عشق و ہجر و وصال کے اشعار۔ (بہار شریعت حصہ ہفتم ص ۷۰)

شیخ الاسلام اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک ناپاک ملعون رسم جو بے تمیز احمق جاہل گھرانوں نے ہندوؤں سے سیکھی یعنی فحش گالیوں کے گیت گوانا اور مجلس میں حاضر مردوں اور عورتوں کو لچھے دار سنانا، سدھیانہ کی عقیفہ پاکدامن عورتوں کو زنا کے الفاظ سے تعبیر کرنا کرانا خصوصاً اس ملعون بے حیا رسم کا عورتوں کے مجمع میں ہونا، ان کا اس ناپاک فاحشہ حرکت پر ہنسنا قہقہے اڑانا، اپنی کنواری لڑکیوں کو یہ سب کچھ سنا کر بد لحاظیاں سکھانا، بے حیا بے غیرت خبیث بے حمیت مردوں کا اس شہد پین کو جائز رکھنا، کبھی برائے نام لوگوں کے دکھاوے کو جھوٹ بچ ایک آدھ بار جھڑک دینا مگر قطعی بندوبست نہ کرنا۔ یہ وہ گندی و مردود رسم ہے جس پر اللہ عز و جل کی صد ہا لعنتیں اترتی ہیں، اسکے کرنے والے، اس پر راضی ہونے والے، اسکی مناسب روک تھام نہ کرنے والے سب فاسق و فاجر، مرتکب کبائر، مستحق غضب جبار و عذاب نار ہیں۔

جس شادی میں ایسی حرکتیں ہوں مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس میں ہرگز نہ شریک ہوں، اگر نادانستہ شریک ہو گئے ہوں تو فوراً اسی وقت اٹھ جائیں اور اپنی بیوی بیٹی ماں بہن کو گالیاں نہ دلوائیں، فحش نہ سنوائیں ورنہ یہ بھی ان ناپاکیوں میں شریک ہو گئے اور غضب الہی سے حصہ لیں گے۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ) ہرگز ہرگز اس معاملہ میں حقیقی بہن بھائی بلکہ ماں باپ کی بھی رعایت و مروت روانہ رکھیں کیونکہ ”خدا کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں“ (حدیث) (ہادی الناس فی رسوم الاعراس)

ناچ کے متعلق صدر الشریعہ رقمطراز ہیں، ناچ میں جن فواحش و بدکاریوں اور مخزب اخلاق باتوں کا اجتماع ہوتا ہے انکے بیان کی حاجت نہیں۔ ایسی ہی مجلسوں میں اکثر نوجوان آوارہ ہو جاتے ہیں، دھن دولت برباد کر بیٹھتے ہیں، بازار یوں سے تعلق اور برے برے نتائج رونما ہوتے ہیں اگر کوئی ان بدکاریوں سے محفوظ رہا تو اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ حیا و غیرت اٹھا کر طاق پر رکھ دیتا ہے۔ (بہار شریعت، ہفتم ص ۷۱)

مذکورہ بالا ناجائز رسموں کو ایسا لازم سمجھ لیا گیا ہے کہ گویا ان کے بغیر شادی ہی نہ ہوگی۔ صدر الشریعہ رقمطراز ہیں، ناچ، باجے اور آتھبازی حرام ہیں، کون انکی حرمت سے واقف نہیں مگر بعض لوگ ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ یہ نہ ہوں تو گویا شادی ہی نہ ہوئی بلکہ بعض تو اتنے پیباک ہوتے ہیں کہ اگر شادی میں یہ حرام کام نہ ہوں تو اسے غمی اور جنازہ سے تعبیر کرتے ہیں (خدا کی پناہ) یہ خیال نہیں کرتے کہ بری رسم ایک تو گناہ اور شریعت کی مخالفت ہے دوسرے مال ضائع کرنا ہے تیسرے تمام تماشائیوں کے گناہ کا یہی سبب ہے اور سب کے گناہوں کے مجموعہ کے برابر اس اکیلے پر گناہ کا بوجھ ہے (کہ اگر یہ اپنے گھر گناہوں کے سامان نہ پھیلاتا تو آنے والے ان گناہوں میں مبتلا نہ ہوتے)۔ (ایضاً)

☆ کیا موسیقی روح کی غذا ہے؟ ☆

سوال: بعض احادیث میں دف بجانے اور اشعار پڑھنے کا ذکر ملتا ہے لہذا اگر شادی بیاہ کے مواقع پر دف بجا کر گانے وغیرہ گالیے جائیں تو کیا حرج ہے؟ بعض لوگ موسیقی کو روح کی غذا کہتے ہیں اس کے متعلق بھی ارشاد فرمائیے۔

جواب: شیخ الاسلام مجدد دین و ملت امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو بھی اپنے فتاویٰ میں نہایت تحقیق و تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے اسکا خلاصہ تحریر کیے دیتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں،

شریعت مطہرہ نے نکاح کے اعلان کی غرض سے صرف دف بجانے کی اجازت دی ہے جبکہ اس سے تجاوز کر کے مکروہ کھیل اور شیطانی لذت حاصل کرنے کی حد تک نہ پہنچے۔ اسی لیے علماء نے یہ قید لگائی کہ دف موسیقی کے قواعد پر نہ بجا یا جائے، سُر تال کی رعایت نہ ہو اور نہ ہی اکیمیں جھانج یا گھنگر و ہوں کہ وہ مستی لاتے ہیں اور ناجائز ہیں۔

دف کا بجانا مردوں کو ہر طرح مکروہ ہے اور نہ ہی یہ باعزت و باحیا عورتوں کو زیب دیتا ہے بلکہ نابالغ چھوٹی چھوٹی بچیاں بجا لیں اور اگر اسکے ساتھ کچھ سیدھے سادے اشعار یا سہرے کے اشعار ہوں جن میں نہ کوئی فحش مضمون ہو نہ کوئی بے حیائی کا ذکر، نہ فسق و فجور کی باتیں، نہ عورتوں میں عشقیہ باتوں کے چرچے، اور نہ ہی انکی آواز نامحرم مردوں کو پہنچے غرض یہ کہ ہر طرح منکرات اور فتنوں سے پاک ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک رشتہ دار عورت کا نکاح انصار میں کر دیا، حضور ﷺ تشریف لائے تو فرمایا، کیا تم نے لڑکی کو رخصت کر دیا؟ عرض کی، ہاں۔ فرمایا، اسکے ساتھ کسی گانے والی کو بھیجا ہے؟ عرض کی، نہیں۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، انصار کو گیت پسند ہیں، اچھا ہوتا اگر تم کسی کو ساتھ بھیج دیتے جو یہ گیت گاتے، اتینا کم اتینا کم فحیانا و حیا کم ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے، اللہ ہمیں زندہ رکھے اور تمہیں بھی زندہ رکھے۔ (ابن ماجہ)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، حلال (نکاح) اور حرام (زنا) کے درمیان امتیاز آواز اور دف سے ہے۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) ایک روایت میں ہے کہ عید کے دن دو بچیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر دف بجا کر گیت گارہی تھیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور انہیں ڈانٹنے لگے۔ آقا و مولیٰ ﷺ وہاں چادر اوڑھے آرام فرماتے آپ نے چہرہ اقدس سے چادر ہٹا کر فرمایا، اے ابو بکر! انہیں کچھ نہ کہو کیونکہ آج عید کا دن ہے۔ (بخاری)

بخاری شریف جلد دوم میں ہے کہ حضرت ربیع بنت معوذ بن عفرہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر حضور ﷺ تشریف لائے تو کچھ بچیوں نے دف بجا کر شہدائے بدر کی شجاعت کے اشعار پڑھے۔ اس حدیث کے تحت امام بدر الدین محمود عینی فرماتے ہیں، اس حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ دف بجانا اور جائز گانے کے ذریعے نکاح کا اعلان کرنا جائز ہے تاکہ نکاح اور زنا میں فرق ہو جائے کیونکہ زنا خفیہ ہوتا ہے۔

مرقاۃ میں ہے کہ وہ لڑکیاں حد شہوت کو نہ پہنچی تھیں اور انکے دف میں گھنگر و نہ تھے۔ یہ حدیث نکاح کے اعلان کی غرض سے اور ولیمہ کے وقت دف بجانے کی دلیل ہے، بعض لوگوں نے ختنہ، عیدین، سفر سے آمد اور احباب کی خوشی کے اجتماع کو بھی اسی سے لاحق کیا ہے لیکن یہاں وہ دف مراد ہے جو انگلوں کے زمانہ میں ہوتا تھا اور ایسا دف جس میں گھنگر و ہوں وہ بالاتفاق ناجائز ہونا چاہیے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مروجہ گانے بجانے کو ناجائز و حرام قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں؛ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ”اور کچھ لوگ کھیل (تماشہ) کی باتیں خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بھکا دیں بے سمجھے، اور اسے ہنسی (مذاق) بنا لیں، انکے لیے ذلت کا عذاب ہے۔“ (طہمن: ۶، کنز الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، امام حسن بصری، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، مکحول وغیرہم ائمہ صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اس آیت کریمہ میں ”لَهُوَ الْحَدِيثُ“ (کھیل تماشہ کی بات) کی تفسیر گانے بجانے سے فرمائی ہے۔

ابوالصہباء کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، ”کھیل کی بات سے مراد گانا ہے اس خدا کی قسم جسکے سوا کوئی معبود نہیں۔“ آپ نے یہ بات تین بار فرمائی۔

بلکہ خود حدیث پاک میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے، گانے والی عورتوں کو سکھانا اور انکی خرید و فروخت کرنا جائز نہیں اور انکی قیمت حرام ہے۔ ایسے ہی

کاموں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے دور کر دیں۔ یہ حدیث امام بغوی نے ابو امامہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

امام اہلسنت قرآن حکیم سے دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین سے فرمایا، ”دور ہو، تو ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا تو بیشک سب کا بدلہ جہنم ہے بھر پور سزا، اور ڈگا دے (یعنی پھسلا دے) ان میں سے جس پر تو قدرت پائے اپنی آواز سے“۔ (بنی اسرائیل)

امام مجاہد نے جو سلطان المفسرین عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے جلیل و بزرگ شاگردوں میں سے ہیں، اس آیت میں ”شیطان کی آواز“ کی تفسیر گانے بجانے اور مزامیر سے کی ہے۔ (ہادی الناس) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جو آواز اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف منہ سے نکلے وہ شیطانی آواز ہے۔ (خزائن العرفان)

بعض علماء نے گانے بجانے کو ”زنا کا منتر“ قرار دیا ہے کیونکہ یہ نہ صرف خدا کی یاد سے غافل کرتا ہے بلکہ نفسانی جذبات پر ایسے اثر کرتا ہے جیسے آگ پر تیل ڈالا جائے۔ تعجب تو یہ ہے کہ بعض کلمہ گو مسلمان بھی غیر مسلموں کی دیکھا دیکھی اسے ”روح کی غذا“ قرار دیتے ہیں حالانکہ گانے بجانے کی مذمت میں قرآن پاک کی مذکورہ آیات کے علاوہ متعدد احادیث مبارکہ بھی موجود ہیں۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں:

۱۔ رسول معظم ﷺ کا ارشاد ہے، گانا دل میں ایسے نفاق پیدا کرتا ہے جیسے پانی کھیتی کو پروان چڑھاتا ہے۔ (بیہقی، مشکوٰۃ)

۲۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، جو گانے والی لونڈی کی مجلس میں اسکا گانا سننے کا قیامت کے دن اسکے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔ (احکام القرآن لابن العربی)

اُس دور میں لونڈیاں ہی گایا کرتی تھیں اور گانا سننے کے لیے انکے پاس جانا پڑتا تھا اس لیے حدیث پاک میں انکا ذکر ہوا جبکہ موجودہ دور میں آڈیو ویڈیو کیسیٹ کے ذریعے یہ برائی گھر گھر پھیل رہی ہے لہذا یہ حدیث مبارکہ ان سب لوگوں کے لیے باعثِ عبرت ہے جو کسی بھی ذریعے سے گانے سنتے ہیں۔ نیز جب گانا سننے والے کے لیے یہ عذاب ہے تو گانے والے کس قدر عذاب کے مستحق ہونگے؟ العیاذ باللہ تعالیٰ

۳۔ رحمتِ عالم ﷺ کا ارشاد ہے، بیشک اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا اور موسیقی کے آلات حرام فرمادیے نیز ہر نشہ آور چیز کو بھی حرام فرمادیا۔ (بیہقی، مشکوٰۃ)

۴۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میری امت کے کچھ لوگ ہونگے جو زنا، ریشم، شراب اور گانے بجانے کو حلال سمجھیں گے (یعنی جائز کاموں کی طرح انہیں اختیار کریں گے)۔ (بخاری)

اب رہا یہ سوال کہ کیا شادی سے قبل لڑکا لڑکی کو دیکھ سکتا ہے؟ اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے قرآن وحدیث سے چند دلائل پیش خدمت ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے،
 ”عورتوں میں سے جو پسند آئے اس سے نکاح کرو“۔ (النساء: ۳۰)

اس آیت کریمہ سے اشارتاً دیکھنے کی اجازت ملتی ہے کیونکہ پسند کرنا دیکھنے پر منحصر ہے۔ اسکی تائید مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے۔
 ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں مرض کی بنا پر رسول اللہ ﷺ میں ایک انصاری عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا: ”اُسے دیکھ لو“۔ (مسلم)
 آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، ”جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیغام دینے لگے تو اگر اسکو دیکھنا ممکن ہو تو ضرور دیکھ لے“۔ (ابوداؤد) ایک صحابی سے سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: ”تم جس سے نکاح کرنا چاہتے ہو اسے دیکھ لو، اس طرح تمہارے درمیان محبت والفت بڑھے گی“۔ (ترمذی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نکاح سے قبل عورت کی دینداری، پارسائی اور حسب نسب کے علاوہ صورت کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے اور اس کے لیے عورت کو شادی سے قبل دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ شادی کے بعد اگر وہ پسند نہ آئی تو زندگی تلخ ہو جائے گی۔ لہذا عام حالات میں شرعی حکم یہی ہے کہ ماہرم کو نہ دیکھا جائے لیکن شادی کے بعد کی تکلیفوں فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے شریعت نے اتنی گنجائش رکھی ہے کہ جب عورت کی پارسائی، دینداری اور حسب نسب کے متعلق اطمینان ہو جائے تو عورت کو ایک نظر دیکھ لیا جائے اور دیکھنے میں بھی عورت کی شرم و حیا اور اپنے غیرت و وقار کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

ضمناً یہ بات عرض کرنا ضروری ہے کہ بعض لوگ غربت یا مال کی کمی کے باعث شادی نہیں کرتے۔ لڑکی والے والد لڑکا چاہتے ہیں تو لڑکے والے بھی زیادہ چیز والی لڑکی تلاش کرتے ہیں۔ جنسور اکرم ﷺ کا فرمان مالیشان ہے ”عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔ مال و دولت، حسب نسب، حسن و جمال اور دینداری۔ تمہیں چاہیے کہ دینداری کو ترجیح دو“۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو نکاح کا حکم فرمایا ہے اسکی اطاعت کرو، اس نے جو غنی کرنے کا وعدہ کیا ہے پورا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”اگر وہ فقیر ہو گئے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا“۔ (النور: ۳۳)

(بہار شریعت حصہ ہفتم ص ۲ بحوالہ ابن ابی حاتم)

باب چہارم: غیر شرعی رسمیں

☆ شادی بیاہ کی رسمیں ☆

سوال: آج کل شادی بیاہ کے مواقع پر مختلف رسمیں رائج ہو گئی ہیں مثلاً پھولوں کا سہرا، جشنِ مایوں، مہندی، بری، بندوق سے فارنگ، آتش بازی پٹاٹے، ویڈیو فلم اور گانا بجانا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں ان رسوم و رواج کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: صدر الشریعہ فرماتے ہیں، رسوم کی بنا عرف پر ہے، یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ یہ شرعاً واجب یا سنت یا مستحب ہیں لہذا جب تک کسی رسم کی ممانعت شریعت سے ثابت نہ ہو اس وقت تک اسے حرام یا ناجائز نہیں کہہ سکتے، مگر یہ ضرور ہے کہ رسوم کی پابندی اس حد تک کر سکتا ہے کہ کسی حرام فعل میں مبتلا نہ ہو۔

بعض لوگ اس قدر پابندی کرتے ہیں کہ ناجائز فعل کرنا پڑے تو پرواہ نہیں مگر رسم کا چھوڑنا گوارا نہیں۔ مثلاً لڑکی جوان ہے اور رسوم ادا کرنے کو روپیہ نہیں تو یہ نہ ہوگا کہ رسمیں چھوڑ دیں اور نکاح کر دیں کہ سبکدوش ہوں اور فتنہ کا دروازہ بند ہو۔ اب رسوم کے پورا کرنے کو بھیک مانتے، طرح طرح کی فکریں کرتے ہیں اس خیال میں کہ کہیں سے قرض مل جائے تو شادی کریں برسوں گزار دیتے ہیں اور یوں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ (بہار شریعت حصہ ہفتم ص ۶۹)

اب ہم ان امور کا جائزہ لیتے ہیں جو سوال میں مذکور ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے رسوم کے متعلق دو اہم قواعد بیان فرمائے ہیں جن کا سمجھنا ضروری ہے۔ آپ فرماتے ہیں، شرع شریف کا قاعدہ ہے کہ جس چیز کو خدا اور رسول اچھا بتائیں وہ اچھی ہے اور جسے برا فرمائیں وہ بری، اور جس سے سکوت فرمائیں یعنی شرع میں نہ اسکی خوبی بیان ہوئی نہ برائی، وہ اباحتِ صلیہ پر رہتی ہے کہ اس کے فعل و ترک میں ثواب نہ عتاب۔

دوم: کسی سے مشابہت کی بنا پر کسی فعل کی ممانعت اسی وقت صحیح ہے کہ جب فاعل کا ارادہ مشابہت کا ہو، یا وہ فعل اہل باطل کا شعار و علامت خاصہ ہو جسکے سبب وہ پہچانے جاتے ہوں۔ یا اگر خود اس فعل کی مذمت شرع مطہر سے ثابت ہو تو اسے برا کہا جائے گا ورنہ ہرگز نہیں، اور پھولوں کا سہرا ان سب باتوں سے پاک ہے لہذا جائز ہے۔ (ہادی الناس فی رسوم الامراس)

دولہا دہن کو آئین لگانا، مانیوں بٹھانا جائز ہے (بشرطیکہ کوئی اور خلاف شرع امور جیسے گانا بجانا اور ماحرموں سے اختلاط وغیرہ نہ پائے جائیں)۔ دولہا کو مہندی لگانا، ناجائز ہے۔ ڈال بری کی رسم کہ کپڑے وغیرہ بھیجے جاتے ہیں جائز ہے البتہ دولہا کو ریشمی کپڑے پہننا پہنا حرام ہے۔

(بہار شریعت حصہ ہفتم ص ۷۱)

فی زمانہ صرف مہندی کی رسم پر لاکھوں خرچ کر دیے جاتے ہیں جو کہ اسراف و حرام ہے پھر اس موقع پر عورتوں کا ہن سنور کر بے پردہ ماحرموں کے سامنے آنا حرام..... مزید

یہ کہ گانا بجانا ہوتا ہے وہ بھی حرام..... ستم بالائے ستم یہ کہ ان تمام خرافات کی ویڈیو فلم بنائی جاتی ہے تاکہ بے پردہ عورتوں کے گانے اور دیگر بے حیائیاں جب دل چاہے دیکھی جائیں، ظاہر ہے کہ یہ ویڈیو فلم بنانا اور بنوانا بھی حرام و سخت گناہ کا باعث ہیں۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، نکاح کے اعلان کی خاطر بندوق سے چند فائر کرنا جائز ہے جبکہ کھیل کود یا فخر و مستی کے طور پر جائز نہیں۔ آتھبازی جس طرح شادیوں اور شبِ برات میں رائج ہے بیکہ حرام اور پورا جرم ہے کہ انہیں مال کا ضیاع ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو شیطان کے بھائی فرمایا گیا، ارشاد ہوا، ”اور فضول نازا، بیکہ (مال) اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں“۔ (بنی اسرائیل)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ماہیتِ ہالنتہ میں فرماتے ہیں، ”ہندوستان کے اکثر شہروں میں لوگ کھیل تماشے کے لیے آتھبازی کرتے ہیں اور پٹاخے چھوڑتے ہیں، یہ بہت بری بدعتوں میں سے ہے۔“

مانچ اور گانے بجانے کی رسم کے متعلق صدرالشریعہ مولانا امجد علی قادری قدس سرہ فرماتے ہیں، اکثر جاہل گھرانوں میں رواج ہے کہ محلہ کی یا رشتہ دار عورتیں جمع ہوتی ہیں اور گاتی بھاتی ہیں یہ حرام ہے۔ اول ذحول بجانا ہی حرام پھر عورتوں کا گانا، مزید برآں عورتوں کی آواز یا محرموں کو پہنچنا، اور وہ بھی گانے کی اور وہ بھی عشق و ہجر و وصال کے اشعار۔ (بہار شریعت حصہ ہفتم ص ۷۷)

شیخ الاسلام اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک ماپاک ملعون رسم جو بے تمیز احمق جاہل گھرانوں نے ہندوؤں سے سیکھی یعنی قش گالیوں کے گیت گوانا اور مجلس میں حاضر مردوں اور عورتوں کو لچھے دار سنا، ہمدھیانہ کی عقیف پا کدامن عورتوں کو زنا کے الفاظ سے تعبیر کرنا، خصوصاً اس ملعون بے حیا رسم کا عورتوں کے مجمع میں ہونا، ان کا اس ماپاک فاحشہ حرکت پر ہنسنا قبیحہ اڑانا، اپنی کنواری لڑکیوں کو یہ سب کچھ سنا کر بد الحاطیاں سکھانا، بے حیا بے غیرت خبیث بے حمیت مردوں کا اس شہد پن کو جائز رکھنا، کبھی برائے نام لوگوں کے دکھاوے کو جھوٹے سچ ایک آدھ بار جھڑک دینا مگر قطعی ہندوستان نہ کرنا۔ یہ وہ گندی و مردود رسم ہے جس پر اللہ عزوجل کی صدمہ لعنتیں اترتی ہیں، اسکے کرنے والے اس پر راضی ہونے والے، اسکی مناسب روک تھام نہ کرنے والے سب فاسق و فاجر، مرتکب کبائر، مستحق عذاب مار ہیں۔

جس شادی میں ایسی حرکتیں ہوں مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس میں ہرگز نہ شریک ہوں، اگر ماوانہ شریک ہو گئے ہوں تو فوراً ہی وقت اٹھ جائیں اور اپنی بیوی بیٹی ماں بہن کو گالیاں نہ دلوائیں، خوش نہ سنوائیں ورنہ یہ بھی ان ماپاکیوں میں شریک ہو چکے اور عصبہ الہی سے حصہ لیں گے۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ) ہرگز ہرگز اس معاملہ میں حقیقی بہن بھائی بلکہ ماں باپ کی بھی رعایت و مروت روا نہ رکھیں کیونکہ ”خدا کی مافرمانی میں کسی کی فرما مہر داری نہیں“ (حدیث) (ہادی الناس فی رسوم الاعراس)

مانچ کے متعلق صدرالشریعہ رقمطراز ہیں، مانچ میں جن فواحش و بد کاریوں اور محسوب اخلاق باتوں کا اجتماع ہوتا ہے انکے بیان کی حاجت نہیں۔ ایسی ہی مجلسوں میں اکثر نوجوان آوارہ ہو جاتے ہیں، دھن دولت برباد کر بیٹھتے ہیں، بازار یوں سے تعلق اور ہر سے بے متعلق رہ جاتے ہیں اگر کوئی ان بد کاریوں سے محفوظ رہا تو اتنا ضرور ہوتا ہے کہ حیا و غیرت اٹھا کر طاق پر رکھ دیتا ہے۔ (بہار شریعت، ہفتم ص ۷۷) WWW.NAFSEISLAM.COM

مذکورہ بالا جائز رسموں کو ایسا لازم سمجھ لیا گیا ہے کہ گویا ان کے بغیر شادی ہی نہ ہوگی۔ صدرالشریعہ رقمطراز ہیں، مانچ، باجے اور آتھبازی حرام ہیں، کون انکی حرمت سے واقف نہیں مگر بعض لوگ ایسے منہک ہوتے ہیں کہ یہ نہ ہوں تو گویا شادی ہی نہ ہوئی بلکہ بعض تو اتنے پیاک ہوتے ہیں کہ اگر شادی میں یہ حرام کام نہ ہوں تو اسے نئی اور جنازہ سے تعبیر کرتے ہیں (خدا کی پناہ) یہ خیال نہیں کرتے کہ بری رسم ایک تو گناہ اور شریعت کی مخالفت ہے دوسرے مال ضائع کرنا ہے تیسرے تمام تماشائیوں کے گناہ کا یہی سبب ہے اور سب کے گناہوں کے مجموعہ کے برابر اس اکیلے پر گناہ کا بوجھ ہے (کہ اگر یہ اپنے گھر گناہوں کے سامان نہ پھیلاتا تو آنے والے ان گناہوں میں مبتلا نہ ہوتے)۔ (ایضاً)

☆ کیا موسیقی روح کی غذا ہے؟ ☆

سوال: بعض احادیث میں دف بجانے اور اشعار پڑھنے کا ذکر ملتا ہے لہذا اگر شادی بیاہ کے مواقع پر دف بجا کر گانے وغیرہ گالیے جائیں تو کیا حرج ہے؟ بعض لوگ موسیقی کو روح کی غذا کہتے ہیں اس کے متعلق بھی ارشاد فرمائیے۔

جواب: شیخ الاسلام مجدد دین و ملت امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو بھی اپنے فتاویٰ میں نہایت تحقیق و تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے اسکا خلاصہ تحریر کیے دیتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں،

شریعت مطہرہ نے نکاح کے اعلان کی غرض سے صرف دف بجانے کی اجازت دی ہے جبکہ اس سے تجاوز کر کے مکروہ کھیل اور شیطانی لذت حاصل کرنے کی حد تک نہ پہنچے۔ اسی لیے علماء نے یہ قید لگائی کہ دف موسیقی کے قواعد پر نہ بھایا جائے، نہ تال کی رعایت نہ ہو اور نہ ہی انہیں جھانچ یا تھکڑوہوں کو وہ مستی لاتے ہیں اور ناجائز ہیں۔

دف کا بجانا مردوں کو ہر طرح مکروہ ہے اور نہ ہی یہ جائز ہے یا حیا عورتوں کو زیب دیتا ہے بلکہ نابالغ چھوٹی چھوٹی بچیاں بھائیں اور اگر اسکے ساتھ کچھ سیدھے سادے اشعار یا سہرے کے اشعار ہوں جن میں نہ کوئی قش مضمون ہو نہ کوئی بے حیائی کا ذکر، نہ فسق و فجور کی باتیں، نہ عورتوں میں عشقیہ باتوں کے چمچے، اور نہ ہی انکی آواز یا محرم مردوں

کو پہنچے غرض یہ کہ ہر طرح منگراتا اور فتنوں سے پاک ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک رشتہ دار عورت کا نکاح انصار میں کر دیا، جنہوﷺ تشریف لائے تو فرمایا، کیا تم نے لڑکی کو رخصت کر دیا؟ عرض کی، ہاں۔ فرمایا، اسکے ساتھ کسی گانے والی کو بھیجا ہے؟ عرض کی، نہیں۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، انصار کو گیت پسند ہیں، اچھا ہونا اگر تم کسی کو ساتھ بھیج دیتے جو یہ گیت گاتے، اتیناکم اتیناکم فحیاننا وحبناکم ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے واللہ ہمیں زندہ رکھے اور تمہیں بھی زندہ رکھے۔ (ابن ماجہ)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، حلال (نکاح) اور حرام (زنا) کے درمیان امتیاز آواز اور دف سے ہے۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) ایک روایت میں ہے کہ عید کے دن دو بچیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کمر دف بجا کر گیت گارہی تھیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور انہیں ڈانٹنے لگے۔ آقا و مولیٰ ﷺ وہاں چادر اوڑھے آرام فرما تھے آپ نے چہرہ اقدس سے چادر ہٹا کر فرمایا، اے ابو بکر! انہیں کچھ نہ کہو کیونکہ آج عید کا دن ہے۔ (بخاری)

بخاری شریف جلد دوم میں ہے کہ حضرت ربیع بنت معوذ بن عمرو رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر حضور ﷺ تشریف لائے تو کچھ بچیوں نے دف بجا کر شہدائے بدر کی شجاعت کے اشعار پڑھے۔ اس حدیث کے تحت امام بدر الدین محمود بخینی فرماتے ہیں، اس حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ دف بجانا اور جائز گانے کے ذریعے نکاح کا اعلان کرنا جائز ہے تا کہ نکاح اور زنا میں فرق ہو جائے کیونکہ زنا خفیہ ہوتا ہے۔

مرقاۃ میں ہے کہ وہاں کیاں حد شہوت کو نہ پہنچی تھیں اور انکے دف میں تھنکرو نہ تھے۔ یہ حدیث نکاح کا اعلان کی غرض سے اور ولیمہ کے وقت دف بجانے کی دلیل ہے، بعض لوگوں نے ختنہ، عیدین، سفر سے آمد اور احباب کی خوشی کے اجتماع کو بھی اسی سے لاحق کیا ہے لیکن یہاں وہ دف مراد ہے جو انگلوں کے زمانہ میں ہوتا تھا اور ایسا دف جس میں تھنکرو ہوں وہ بالاتفاق ناجائز ہونا چاہیے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مرقہ جانے بجانے کو ناجائز و حرام قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے، ”اور کچھ لوگ کھیاں (تمنا شد) کی باتیں خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بھگا دیں بے سمجھے، اور اسے فہمی (مذاق) بنالیں، انکے لیے ذلت کا عذاب ہے۔“ (فہمی: ۶، کنز الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، امام حسن بصری، سعید بن جبیر، یحییٰ بن کثیر، مجاہد بن کعب، وغیرہم انہ صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اس آیت کریمہ میں ”ہُوَ الْمُحْدِثُ“ (کہیں تماشہ کی بات) کی تفسیر گانے بجانے سے فرمائی ہے۔

ابوالصہبہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، ”کھیل کی بات سے مراد گانا ہے اس خدا کی قسم جسکے سوا کوئی معبود نہیں۔“ آپ نے یہ بات تین بار فرمائی۔

بلکہ خود حدیث پاک میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے: **گائے وائی عورتوں کو سکھانا اور انکی خرید و فروخت کرنا جائز نہیں اور انکی قیمت حرام ہے۔** ایسے ہی کاموں کے بارے میں یہ آیت مازل ہوئی ہے کہ کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے دور کر دیں۔ یہ حدیث امام بغوی نے ابوامامہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

امام اہلسنت قرآن حکیم سے دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین سے فرمایا، ”دور ہو، تو ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا تو بیشک سب کا بدلہ جہنم ہے بھر پور سزا، اور ڈکا دے (یعنی پھسلا دے) ان میں سے جس پر توفیق رہے پائے اپنی آواز سے“۔ (نبی اسرائیل)

امام مجاہد نے جو سلطان المفسرین عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے جلیل و بزرگ شاگردوں میں سے ہیں، اس آیت میں ”شیطان کی آواز“ کی تفسیر گانے بجانے اور مزامیر سے کی ہے۔ (باوی الناس) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جو آواز اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف منہ سے نکلے وہ شیطانی آواز ہے۔ (خزان

العرفان)

بعض علماء نے گانے بجانے کو ”زنا کا منتظر“ قرار دیا ہے کیونکہ یہ نہ صرف خدا کی یاد سے غافل کرنا ہے بلکہ نفسانی جذبات پر ایسے اثر کرنا ہے جیسے آگ پر تیل ڈالا جائے۔ تعجب تو یہ ہے کہ بعض کلمہ گو مسلمان بھی غیر مسلموں کی دیکھا دیکھی اسے ”روح کی غذا“ قرار دیتے ہیں حالانکہ گانے بجانے کی مذمت میں قرآن پاک کی مذکورہ آیات کے علاوہ متعدد احادیث مبارکہ بھی موجود ہیں۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں:

۱۔ رسول معظم ﷺ کا ارشاد ہے، گناہ دل میں ایسے نفاق پیدا کرتا ہے جیسے پانی کھیتی کو پروان چڑھاتا ہے۔ (تہذیبی مکتوبات)

۴۔ آقا مولیٰ علیہ السلام نے فرمایا، جو گانے والی لونڈی کی مجلس میں اسکا گانا سنے گا قیامت کے دن اسکے کان میں پکھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔ (احکام القرآن لابن العربی)

۳۔ رجبِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے، بیشک اللہ تعالیٰ نے شراب، جو اور موسیقی کے آلات حرام فرما دیے نیز ہر نشہ آور چیز کو بھی حرام فرمایا۔ (نیہتی، مشکوٰۃ)

۳۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میری امت کے کچھ لوگ ہونگے جو زنا، ریشم، شراب اور گانے بجانے کو حلال سمجھیں گے (یعنی جائز کاموں کی طرح نہیں اختیار کریں گے)۔ (بخاری)

موسیقی کے آلات حرام فرمادیے نیز ہر نشہ آور چیز کو بھی حرام فرمایا۔ (تہجدی، مشکوٰۃ)

۴۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میری امت کے کچھ لوگ ہونگے جو زنا، ریشم، شراب اور گانے بجانے کو حلال سمجھیں گے (یعنی جائز کاموں کی طرح نہیں اختیار کریں گے)۔ (بخاری)

۵۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے، میری امت کے کچھ لوگ شراب کو اسکا نام بدل کر پیئیں گے اور معاذف و مزامیر (آلات موسیقی) کے ساتھ گانے سنیں گے۔ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے گا اور بعض کی صورتیں مسخ کر کے بندر اور سور بنا دے گا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

۶۔ آقا مولا ﷺ نے فرمایا، جب گانے والی عورتیں اور گانے بجانے کے آلات عام ہو جائیں اور کثرت سے شراب پی جائے اور بعد میں آنے والے اگلے لوگوں پر لعنت کریں اس وقت تم سرخ ہوا، زلزلے، زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے اور پتھر سے کانیزان نشانوں کا انتظار کرنا جو لگاتار ظاہر ہوگی جیسے بارگاہ گدگد توڑ دیا جائے تو اسکے دانے مسلسل گر رہے ہوں۔ (ترمذی، مشکوٰۃ)

۷۔ نور مجسم ﷺ کا فرمان مالیشان ہے مجھے میرے رب نے باجوں اور مزامیر یعنی موسیقی کے آلات اور بتوں اور صلیبوں اور جاہلیت کی چیزیں منانے کا حکم دیا ہے۔ (مسند احمد، مشکوٰۃ)

۸۔ فیہ بتانے والے آقا مولا ﷺ نے فرمایا، اس امت کے آخر میں ایسے لوگ آئیں گے جو ایک شب شراب نوشی اور گانے بجانے میں مشغول ہو گئے گا چاہے ان پر اللہ کا عذاب نازل ہو گا اور انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا جائے گا۔ عرض کی گئی، کیا وہ مسلمان ہو گئے؟ فرمایا، ہاں وہ کلمہ گو اور روزہ رکھنے والے ہو گئے لیکن وہ آلات موسیقی اور گانے والی عورتوں کے عادی ہو چکے ہو گئے۔ (ابن حبان، طبرانی)

آپ خود فیصلہ کر لیجیے کہ گانا سننا روح کی غذا ہے یا اللہ تعالیٰ کے عذاب اور آقا مولا ﷺ کی ناراضگی کا باعث ہے؟ اب آپ قرآن سے پتہ چسے کہ روح کی غذا کیا ہے؟ جواب ملے گا: ”جب ان (ایمان والوں) پر اسکی آیتیں پڑھی جائیں تو انکا ایمان ترقی پائے گا“۔ (الانفال: ۲)

دوسری آیت ملاحظہ فرمائیے، ”وہ جو ایمان لائے اور انکے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں، ان کو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے“۔ (الرعد: ۲۸، کنز الایمان)

معلوم ہوا کہ مومنوں کے لیے قرآن کریم کی تلاوت روح کی غذا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر روح کی غذا ہے۔ چونکہ رسول کریم ﷺ کا ذکر بھی ذکر الہی ہے اس لیے وہ بھی روح کی غذا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”یٰٰھذا اللہ نے تمہارے لیے ذکر نازل فرمایا، ایک ایسا رسول جو تم پر اللہ کی روشنی آیتیں تلاوت کرتا ہے“۔ (الطلاق: ۱۰)

یہاں ذکر سے مراد رسول کریم ﷺ ہیں۔ (تفسیر روح المعانی)

قاضی عیاض مالکی نے کتاب الشفا جلد اول میں یہ حدیث نقل فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”میں نے ایمان کا مکمل ہونا اپنے ذکر کے ساتھ تمہارا ذکر کرنے پر موقوف کر دیا ہے اور میں نے تمہارے ذکر کو اپنا ذکر بنا دیا ہے پس جس نے تمہارا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا“۔

پس ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے حبیب حبیب ﷺ کا ذکر اور قرآن حکیم کی تلاوت ایمان والوں کے لیے دلوں کا سکون اور روح کی غذا ہیں۔ غموں کا دور ہونا اور گناہوں سے پاک ہونا بھی روحانی نشوونما کا اہم ذریعہ ہے اس لحاظ سے یہ کہنا بالکل بجا ہو گا کہ درود و سلام بھی روح کی غذا ہے۔ آقا مولا ﷺ کی بارگاہ یکس پناہ میں جب ایک صحابی نے عرض کیا کہ میں تمام وقت درود شریف پڑھوں گا تو آقا کریم ﷺ نے فرمایا، پھر تو یہ تمہارے تمام غموں کو دور کر دے گا اور تمہارے گناہ مٹا دے گا۔

(جامع ترمذی)

☆ شوہر و بیوی کے مابین اختلافات ☆

سوال: ہمارے معاشرے میں شوہر و بیوی کے درمیان باتفاق و لڑائی عام سی بات ہو گئی ہے اس کا کیا سبب ہے؟ اس مسئلہ کے حل کے بارے میں اسلامی تعلیمات ارشاد فرمائیے۔

جواب: شوہر و بیوی کے مابین لڑائی جھگڑے یا باتفاق کا ایک بڑا سبب عام دین سے ناواقفیت اور دین سے دوری ہے۔ آقا ﷺ نے شوہر و بیوی کے علیحدہ علیحدہ حقوق بیان فرمادیے ہیں اس مسئلہ کا واحد حل یہ ہے دونوں محبت و احترام سے ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں۔ اس موضوع پر مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت مجدد ثریا رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد و خلیفہ صدرالشریعہ علامہ مولانا امجد علی قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

اس باتفاق کا بڑا سبب یہ ہے کہ شوہر و بیوی دونوں ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ نہیں رکھتے اور باہم رواداری سے کام نہیں لیتے۔ مرد چاہتا ہے کہ عورت کو لونڈی سے بدتر کر کے رکھے اور عورت چاہتی ہے کہ مرد میرا غلام رہے، جو میں چاہوں وہ ہو، چاہے کچھ ہو جائے مگر میری بات میں فرق نہ آئے۔ جب ایسے خیالات فاسدہ طرفین میں پیدا ہو گئے تو کیونکر نبھ سکے گی؟ دن رات کی لڑائی اور ہر ایک کے اخلاق و عادات میں برائی اور گھر کی بربادی اسی کا نتیجہ ہے۔ قرآن مجید میں جس طرح یہ حکم آیا ہے کہ ”مرد عورتوں پر حاکم و مگرماں ہیں“ اس سے مردوں کی بڑائی ظاہر ہوتی ہے اسی طرح یہ بھی فرمایا گیا ہے ”عورتوں کے ساتھ اچھی معاشرت کرو“۔

مرد کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اسکے ذمہ عورت کے کیا حقوق ہیں، وہ انہیں ادا کرے اور اسی طرح عورت شوہر کے حقوق دیکھے اور پورے کرے۔ یہ نہ ہو کہ ہر ایک اپنے حقوق کا مطالبہ کرے اور دوسرے کے حقوق سے سروکار نہ رکھے اور یہی فساد کی جڑ ہے۔ یہ بہت ضروری ہے کہ ہر ایک دوسرے کی بیجا باتوں کو حق سے برداشت کرے اور اگر کسی موقع پر دوسری طرف سے زیادتی ہو تو یہ فساد پر آمادہ نہ ہو کیونکہ ایسی جگہ ضد پیدا ہو جاتی ہے اور سلجھی ہوئی بات الجھ جاتی ہے۔

(بہار شریعت حصہ ہفتم صفحہ ۶۶)

اب شوہر و بیوی کے حقوق کے بارے میں ہم قرآن کریم سے راہنمائی لیتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

”مردانسر (یعنی حاکم) ہیں عورتوں پر، ایسے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور ایسے کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے، تو نیک عورتیں ادب والیاں ہیں، خائفہ کے چپے حفاظت رکھتی ہیں (اپنی عفت اور شوہر کے گھر، مال اور راز کی)، جس طرح اللہ نے حفاظت کا حکم دیا، اور جن عورتوں کی مافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور ان سے الگ سوؤ اور انہیں (بلکی ضرب) مارو پھر اگر وہ تمہارے حکم میں جائیں تو ان پر زیادتی کی کوئی راہ نہ چاہو، بیشک اللہ بلند (اور) بڑا ہے۔“ (النساء ۳۴، کنز الایمان)

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو کسی خطا پر ایک طمانچہ مارا، انکے والد انہیں سید عالم ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور انکے شوہر کی شکایت کی، اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا گیا ہے اور عورتوں کو انکی اطاعت لازم ہے اور مردوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ عورتوں کی تمام جائز ضروریات کا خیال رکھیں، انکی حفاظت و نگہبانی کریں نیز انکی اصلاح اور دینی تربیت کا بھی خاص اہتمام کریں۔

چونکہ مرد کو گھر کی ریاست میں حاکم کا درجہ دیا گیا ہے اس لیے عورت پر لازم ہے کہ وہ اس حاکم کی اطاعت کرے ورنہ گھر کی سلطنت کا امن و سکون تباہ و برباد ہو جائے گا البتہ عورت کسی خلاف شرع کام میں شوہر کی اطاعت کی پابند نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر جو فضیلت دی اسکے متعلق صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

مردوں کو عورتوں پر عقل و دانائی، (جسمانی قوت اور) جہان، نبوت و خلافت، امامت و اذان و خطبہ، جماعت و جمعہ و تکبیر و تشریق اور حدود و قصاص کی شہادت کے اور ورثہ میں دو گنے حصہ اور تعصیب اور نکاح و طلاق کے مالک ہونے اور نسبوں کے انکی طرف نسبت کیے جانے اور نماز روزہ کے کامل طور پر قائل ہونے کے ساتھ (کیونکہ انکے لیے کوئی زمانہ یا نہیں ہے کہ وہ نماز روزہ کے قائل نہ ہوں) اور رازھیوں و رعماؤں کے ساتھ فضیلت دی۔ (تفسیر خزان العرفان)

مذکورہ بالا آیت کریمہ کی روشنی میں علامہ مفتی محمد ظلیل خاں قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: عورت کے ذمہ یہ یقین فرائض ہیں جو قرآن کریم نے اس پر عائد کیے۔

اول: اپنے شوہر کی اطاعت گزار اور وفادار ہو،

دوم: سلیقہ شعار ہو کہ شوہر کے مال و دولت کو برباد نہ کرے،

سوم: عفت مآب ہونا کہ اپنی اور اپنے شوہر کی عزت و ناموس پر آنچ نہ آنے دے۔

(کنز مہمشنی زیور حصہ دوم ص ۲۰۹)

مذکورہ آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مافرمانی کی صورت میں شوہر کو چاہیے کہ پہلے بیوی کو پیار سے سمجھائے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کو پسند نہیں ہے اور

قرآن وحدیث کی روشنی میں حاکمیت لازم ہے چنانچہ ہمیں کوئی خلاف شرع کام نہیں کرنا چاہیے۔

اگر سمجھانے سے بات نہ بنے تو شوہر کو چاہیے کہ اپنا ہسٹریکلیڈ کر لے مگر بیوی کو ہرگز ہرگز گھر سے نہ نکالے۔ شوہر کا یوں ناراضگی ظاہر کرنا بھی اصلاح کا حکمت بھرا طریقہ ہے، اگر بیوی پھر بھی ضد اور فرمانی سے باز نہ آئے اور بد زبانی پراتر آئے تو شوہر کو اختیار ہے کہ بیوی کو ہلکی مار مارے مگر چہرے پر نہ مارے۔

احادیث مبارکہ کی روشنی میں فقہاء کرام نے مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر بیوی کی اصلاح کے لیے اسے معمولی طور پر مارنا جائز فرمایا ہے۔

۱۔ جب شوہر اپنے لیے آرائش وزینت کا حکم دے اور بیوی انکار کر دے۔

۲۔ جب شوہر صحبت کے لیے بلائے اور وہ عذر شرعی کے بغیر منع کر دے۔

۳۔ جب عورت نماز نہ پڑھے اور حیض و جنابت کا غسل کرنے سے غافل رہے۔

۴۔ جب عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلتی ہو۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

ازدواجی تعلقات اس قسم کے ہوتے ہیں کہ دونوں کو ایک دوسرے کی حاجت ہوتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے لہذا جو اس حقیقت کو ذہن نشین رکھے گا، وہ مارنے کا ہرگز ارادہ نہ کرے گا۔ یہ تمام احکامات اس لیے دیے گئے ہیں کہ اختلاف و جھگڑے کی صورت میں معاملہ فوراً طلاق تک نہ پہنچے بلکہ ابتدا میں ہی اسے پیار و محبت کے ذریعے یا ناراضگی ظاہر کر کے ختم کیا جائے۔ دراصل شوہر و بیوی کے مابین تعلق کی بنیاد ہی الفت و محبت پر رکھی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے، ”اور اسکی (قدرت کی) نشانیاں سے ہے کہ تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے کہ ان سے آرام پاؤ اور تمہارے آپس میں محبت اور رحمت رکھی، بیشک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کے لیے“۔ (الروم: ۲۱، کنزالایمان)

اس آیت کے تحت مفتی محمد ظلیل خاں قادری فرماتے ہیں،

”آیت کریمہ میں تین باتیں بیان فرمائی گئیں جو خانگی نظام زندگی کے لیے سبک بنیاد اور بطور اصل کے بیان ہوئی ہیں اور جسکا لحاظ شوہر و بیوی دونوں کو یکساں رکھنا ضروری ہے۔

اول مردوں کو بتایا گیا ہے کہ تمہاری بیویاں تمہاری ہی ہم جنس مخلوق ہیں، تمہاری جیسی خواہشات، جذبات اور احساسات ان میں بھی موجود ہیں، بے روح مخلوق اور بے حس جسم نہیں۔

دوم ان کی پیدائش کا منشاء یہ بھی ہے کہ وہ تمہارے لیے سرمایہء راحت و تسکین ہیں تمہارے لیے سکون قلب کا باعث ہیں تمہارے درد کا درماں اور تمہارے غم کا مداوا ہیں، تمہارے لیے پیدا کی گئی ہیں تاکہ تمہارا دل ان سے لگے تمہارا جی ان سے پہلے۔

سوم تمہارے اور ان کے تعلقات کی بنیاد ہی باہمی محبت، اخلاص اور ہمدردی پر ہونی چاہیے۔

(سنی، ہینسی زیور، حصہ دوم صفحہ ۲۰۷)

انسان کو زندگی کا سفر نہایت دشوار اور پیچیدہ راستوں میں طے کرنا پڑتا ہے، اس سفر میں خوشیوں کی روشنیاں بھی ہیں اور غموں کے اندھیرے بھی، کامیابیوں کی امیدیں بھی ہیں اور ناکامیوں کی وحشتیں بھی۔ بلکہ اکثر و بیشتر زندگی مصائب و آلام میں گھری رہتی ہے۔ ایسے مشکل حالات میں انسان کو اپنے ایک ہم جنس رفیق سفر کی طلب ہوتی ہے جو اس کے پست حوصلوں کو بلند کرے، جو اس کے دکھ سکھ میں شریک ہو اور جو اس کے لیے سکون قلب کا باعث ہو۔ رب کریم کا احسان ہے کہ اس نے انسان کو اسکی جنس سے بیوی کی صورت میں ایک رفیق سفر عطا کیا اور اس کا مقصد تخلیق انسان کے لیے باعث تسکین ہو مابیان فرمایا۔ نیز ان کے درمیان محبت و رحمت کے ایسے گراں قدر جذبات پیدا فرمائے کہ دونوں ایک دوسرے کا پردہ بن گئے جو ہر عیب کو چھپا لیتا ہے اور زیب و زینت کا باعث بھی ہے۔ جب اخلاص و محبت سے تعلق قائم ہو جائے تو پھر علیحدگی تو دور کنار اس کا تصور ہی ذہن پریشانی کا باعث بن جاتا ہے۔

مذکورہ آیت مبارکہ سے یہ بات بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ میاں بیوی کی گھریلو زندگی پر سکون اور خوشگوار ہونی چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر عورت کی تخلیق کا مقصد پورا نہیں ہوتا کیونکہ اسے تو رب تعالیٰ نے سکون و آرام کا باعث قرار دیا ہے۔

ممکن ہے کہ اس لڑائی جھگڑے والی صورت حال پیدا کرنے میں عورت کی بجائے مرد یا پھر دونوں ہی قصور وار ہوں۔ اس مسئلہ کا واحد حل یہی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق کو بھی سمجھیں اور اپنے فرائض کو بھی، اور پھر ہر ایک اخلاص کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرے۔

☆ شوہر و بیوی کے حقوق و فرائض ☆

سوال: شریعت مطہرہ میں شوہر اور بیوی کے جو حقوق اور فرائض بیان ہوئے ہیں وہ ارشاد فرمائیے۔

جواب: کچھ اہم باتیں پچھلے سوال کے جواب میں تحریر کی جا چکی ہیں اس مضمون کو ذہن میں رکھتے ہوئے پہلے وہ احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیے جن میں شوہر کے حقوق اور بیوی کی ذمہ داریاں بیان ہوئی ہیں۔

۱۔ آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی محتوق کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! عورت اپنے پروردگار کا حق ادا نہ کرے گی جب تک شوہر کے تمام حقوق ادا نہ کرے۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

۲۔ نور مجسم ﷺ کا فرمان مالیشان ہے، جو عورت اس مال میں انتقال کرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں جائے گی۔ (ترمذی)

۳۔ حبیب کبریٰ ﷺ نے فرمایا، عورت پر اس کے شوہر کا عظیم حق ہے اتنا عظیم حق کہ اگر شوہر کا تمام جسم زخمی ہو جس سے پیپ اور خون بہتا ہو اور عورت اس کے زخمی جسم کو زبان سے چائے تب بھی شوہر کا حق ادا نہ ہوگا۔ (مسند احمد)

۴۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، جب عورت پانچوں نمازیں پابندی سے ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرکاء کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔ (ابو نعیم، مشکوٰۃ)

۵۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، وہ عورت سب سے بہتر ہے جسے اس کا شوہر دیکھے تو خوش ہو جائے، جب اسے حکم دے تو وہ اطاعت کرے اور اس کے جان و مال کے حوالے سے جو باتیں اس کے شوہر کو پسند ہوں، انکی مخالفت نہ کرے۔ (نسائی)

۶۔ نور مجسم ﷺ کا ارشاد ہے، جب شوہر اپنی بیوی کو بستر پر بلائے تو وہ انکار کر دے اور اس کا شوہر راضیگی میں رات گزارے تو صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے ہیں۔ (بخاری)

۷۔ محتاکل حرم الرسل ﷺ نے فرمایا، عورت پر سب لوگوں سے زیادہ حق اس کے شوہر کا ہے جبکہ مرد پر سب سے زیادہ حق اسکی ماں کا ہے۔ (بہار شریعت بحوالہ حاکم)

۸۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، شوہر کا حق عورت پر یہ ہے کہ اپنے نفس کو اس سے نہ روکے اور سوائے فرض کے کسی دن بھی اسکی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے، اگر بغیر اجازت روزہ رکھا تو گناہگار ہوئی، بغیر اجازت اس کا کوئی عمل مقبول نہیں اگر عورت نے کر لیا تو شوہر کو ثواب ہے اور عورت کو گناہ۔ نیز بغیر اجازت شوہر کے گھر سے نہ جائے اگر ایسا کیا تو جب تک توبہ نہ کرے اللہ اور فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ عرض کی گئی، اگر شوہر ظالم ہو؟ ارشاد فرمایا، اگر چہ ظالم ہو (پھر بھی بغیر اجازت گھر سے نہ جائے)۔ (بہار شریعت بحوالہ ابن عساکر)

۹۔ احمد محتاکل ﷺ نے فرمایا، اے عورت! خدا سے ڈرو اور شوہر کی رضامندی کی تلاش میں رہو کیونکہ عورت کو اگر معلوم ہوتا، کہ شوہر کا کیا حق ہے تو جب تک شوہر کھانا کھانا نہ بتا یا اس کے پاس کھڑی رہتی۔ (بہار شریعت بحوالہ ابو نعیم)

۱۰۔ آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، عورت پر شوہر کا حق یہ ہے کہ اس کے بستر کو نہ چھوڑے اور اسکی قسم کو سچا کر دے اور بغیر اسکی اجازت کے باہر نہ جائے اور ایسے شخص کو کان میں نہ آنے دے جس کا آنا شوہر کو پسند نہ ہو۔ (بہار شریعت بحوالہ طبرانی)

پورا کلمہ طیبہ سکھائے۔ جب بچے کو سمجھ آنے لگے تو ادب سکھائے یعنی کھانے پینے، ہنسنے بولنے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، حیا لحاظ، بزرگوں کی تعظیم، ماں باپ اور استاد کے آداب بتائے۔

قرآن پاک پڑھوائے اور بعد ختم قرآن ہمیشہ تلاوت کی تاکید رکھے۔ عقائد اسلام و سنت سکھائے، اس وقت کا بتایا پتھر پر لکیر ہوگا۔ حضور اقدس ﷺ کی محبت و تعظیم اگلے دل میں ڈالے کہ اصل ایمان و عین اسلام ہے۔ حضور علیہ السلام کے آل و اصحاب و اولیاء و علماء کی محبت و عظمت کی تعلیم کرے کہ ایمان کا زیور بلکہ بقائے ایمان کا باعث ہے۔ سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تاکید شروع کر دے اور علم دین سکھائے، خصوصاً وضو، غسل، نماز و روزہ کے مسائل، خوبیوں کے فضائل اور برائیوں کے نقصانات سمجھائے۔ پڑھانے سکھانے میں نرمی کا خیال رکھے، ضرورت ہو تو آنکھیں دکھانے اور تنبیہ کرنے پر اکتفا کرے۔ ہرگز کو سناندے کہ اس سے زیادہ فساد کا اندیشہ ہے۔ اگر مارے تو منہ پر نہ مارے۔ اکثر اوقات ڈانٹ ڈپٹ اور ڈرانے سے کام چلائے، چھڑی وغیرہ صرف رعب کے لیے سامنے رکھے۔

زمانہ تعلیم میں کچھ وقت کھیلنے کا بھی دے مگر ہرگز ہرگز بری صحبت میں نہ بیٹھنے دے کہ یارب بد (برادوست) مار بد (برے سانپ) سے بدتر ہے۔ فحش باتوں، کتابوں اور برے ماحول سے بچائے کہ نرم لکڑی جدھر جھکائیے جھک جاتی ہے۔ جب دس برس کا ہو مار کر نماز پڑھائے، اس عمر سے اپنے یا کسی اور کے ساتھ نہ سلائے، جدا پلنگ پر سلائے۔ جب جوان ہوشادی کر دے اور شادی میں قوم و دین و سیرت و صورت کی رعایت ملحوظ رکھے۔ اب کوئی ایسا کام کہنا ہو جس میں نافرمانی کا احتمال ہو وہ اسے حکم کے طور پر نہ کہے بلکہ نرمی و شفقت سے بطور مشورہ کہے نیز اسے میراث سے محروم نہ کرے۔

یہ احکام لڑکے لڑکیوں کے لیے عام تھے، صرف لڑکوں کے چند حقوق یہ ہیں کہ انہیں لکھنا پڑھنا سکھائے، سپہ گری سکھائے، سورہ مائدہ کی تعلیم دے اور اعلان کے ساتھ ختنہ کرے۔ لڑکیوں کے چند حقوق یہ ہیں کہ انکی پیدائش کو براندہ جانے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھے، انہیں سینا پرونا، کھانا پکانا سکھائے، سورہ نور کی تعلیم دے، کچھ دینے میں بیٹوں اور بیٹیوں میں پورا انصاف کرے، بیٹوں سے زیادہ انکی دلجوئی اور خاطر داری کرے کہ انکا دل بہت چھوٹا ہوتا ہے، جو چیز دے پہلے انہیں دے کر پھر بیٹوں کو دے، نو برس کی عمر سے نہ اپنے پاس سلائے نہ بھائی وغیرہ کے پاس سونے دے، اس عمر سے خاص نگہداشت رکھے۔

شادی بارات میں جہاں ناچ گانا ہوا انہیں ہرگز نہ جانے دے اگرچہ خاص اپنے بھائی کے گھر ہو کیونکہ گانا سخت سنگین جادو ہے اور ان نازک شیشیوں کو تھوڑی سی ٹھیس بھی بہت ہے۔ انکی بیگانوں کے گھروں میں جانے کی مطلقاً بندش کرے بلکہ اپنے گھر کو انکے لیے قید خانہ کی مثل کر دے۔ بالا خانوں پر نہ رہنے دے، اپنے گھر میں انہیں لباس و زیور سے آراستہ کرے کہ پیام رغبت سے آئیں، جب جوڑے ملے تو نکاح میں دیر نہ کرے مگر ہرگز کسی فاسق و فاجر خصوصاً بد مذہب کے نکاح میں نہ دے۔ (مشعلۃ الارشاد، ملخصاً)

مذکورہ رسالے میں اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث مبارکہ کی روشنی میں اولاد کے اسی 80 حقوق بیان فرمائے ہیں جن میں سے چیدہ چیدہ حقوق یہاں تحریر کیے گئے، تفصیل کے لیے مذکورہ رسالہ ملاحظہ فرمائیں۔ اب بچوں کی تربیت کے حوالے سے مزید چند باتیں پیش خدمت ہیں ::

بچوں کو اس بات کی عادت ڈال لے کہ وہ ہمیشہ صاف ستھرے رہیں اور اپنے کام اپنے ہاتھ سے کریں۔ بچوں کو کابلی اور آرام پرستی سے نفرت دلایئے اور اس بات کی سختی سے تاکید کیجیے کہ وہ کوئی کام آپ سے چھپا کر نہ کریں۔ جب وہ کوئی اچھا کام کریں تو تعریف کر کے یا انعام دے کر انکی حوصلہ افزائی کیجیے۔ دوسروں کے سامنے بچوں کو ڈانٹنے اور شرمندہ کرنے سے مکمل پرہیز کیجیے اس طرح بار بار ڈانٹنے اور ملامت کرنے سے وہ اسکے عادی ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی مناسب سختی بھی کرنی چاہیے۔ بے جالا ڈیپار بچوں کو ضدی اور خود سر بنا دیتا ہے اس لیے بچوں کی تربیت میں میانہ روی کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمانِ ذیشان ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اسکے اعمال کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا ثواب اسے ہمیشہ ملتا رہتا ہے۔ اول: صدقہ جاریہ، دوم: وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے، اور سوم: وہ نیک اولاد جو اسکے لیے دعا کرتی رہے۔ (مسلم)

معلوم ہوا کہ نیک اولاد اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے لہذا اولاد کی دینی تربیت کرنے میں والدین کو کسی قسم کی غفلت نہیں کرنی چاہیے۔ ایک اور حدیث پاک میں ارشاد ہوا، ”تم میں سے ہر ایک نگران اور ذمہ دار ہے اور اس سے اسکی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ حاکم نگران ہے اس سے اسکی رعایا کے متعلق سوال ہوگا، ہر شخص اپنے گھر والوں کا نگران ہے اس سے انکے بارے میں سوال ہوگا، ہر عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگران ہے اس سے اسکے بارے میں پوچھا جائے گا۔“ (بخاری، مسلم)

اہل و عیال کی تعلیم و تربیت ایسا اہم فریضہ ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے صحابہ کرام کو نصیحت فرمائی، تم اپنے گھر والوں کی تربیت میں اپنی چھڑی ان سے نہ ہٹانا یعنی مناسب سختی کرتے رہنا۔ (احمد، طبرانی) نور مجسم ﷺ نے اولاد کو بے حیائی کے کاموں سے نہ روکنے والوں کے لیے یہ وعید سنائی کہ ”تین اشخاص پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام فرمادی: شرابی، والدین کا نافرمان اور وہ بے حیا جو اپنے گھر میں بے حیائی کے کام ہونے دے۔“ (احمد، نسائی)

ایک اور حدیث شریف میں اہل و عیال کی دینی تربیت کرنے والوں کے لیے جنت کی خوشخبری سنائی گئی۔ ارشاد ہوا،

”اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو کہتا ہے، اے میری بیوی! اے میرے بچو! تمہاری نماز؟ تمہارا روزہ؟ تمہاری زکوٰۃ؟ تمہارا مسکین؟ تمہارا یتیم؟ تمہارا یتیم؟ (یعنی وہ

اپنے بیوی بچوں کو نماز، روزہ، زکوٰۃ کی ادائیگی کی طرف متوجہ کرتا ہے اور مسکین، یتیم اور یتیم کی حقوق ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے) امید ہے کہ رب کریم اسکے گھر والوں کو

اس نیک شخص کے ساتھ جنت میں جمع فرمائے گا۔“

(تفسیر روح البیان ج ۱۰ ص ۵۸)

اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے وہ ہیں جو اپنے اہل و عیال کی دینی تربیت کے لیے بھرپور کوششیں کرتے ہیں اور رب کریم سے انکے نیک و متقی ہونے کی دعائیں بھی مانگتے رہتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہوا،

”اور وہ لوگ جو عرض کرتے ہیں، اے ہمارے رب! دے ہمیں ہماری بیبیوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک، اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔“ (الفرقان: ۷۴)

☆ حقوق العباد کا بیان ☆

سوال: والدین کے حقوق اور دیگر حقوق العباد کے بارے میں بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں راہنمائی فرمائیے۔

جواب: ارشاد باری تعالیٰ ہے، ”ماں باپ سے بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی اور راہ گیر اور اپنے باندی غلام سے (بھی اچھا سلوک کرو)۔“ (النساء: ۳۶، کنز الایمان)

اس آیت کریمہ میں نہایت جامع انداز میں حقوق العباد کا ذکر کیا گیا ہے جس کی تفصیل بعد میں بیان کی جائے گی پہلے ہم والدین کے حقوق کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا گیا، ”ماں باپ سے اچھا سلوک کرو، اگر تیرے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ہوں (یا اُف) نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا، اور ان کے لیے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے (یعنی ان سے تواضع اور محبت کا برتاؤ کر) اور عرض کر کہ اے میرے رب! تو ان دونوں پر رحم کر جیسا ان دونوں نے مجھے چھوٹے پن (یعنی بچپن) میں پالا۔“

(بنی اسرائیل: ۲۳، ۲۵، کنز الایمان)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر حال میں والدین کے ساتھ حسن سلوک لازم ہے خصوصاً جب وہ عمر رسیدہ ہوں۔ یہ بھی حکم دیا گیا کہ انکے ساتھ بھلائی بھی کی جائے اور انکے لیے رحمت کی دعا بھی۔ اب والدین کے حقوق کے متعلق چند احادیث مبارکہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، وہ شخص ذلیل و خوار ہو جس نے ماں باپ دونوں کو یا ایک کو بڑھاپے میں پایا اور انکی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہوا۔ (مسلم)

بارگاہ نبوی میں کسی نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! والدین کا اولاد پر کیا حق ہے؟ ارشاد ہوا، وہ دونوں تیری جنت و دوزخ ہیں یعنی انکو راضی رکھنے سے جنت ملے گی اور انکی ناراضگی کا انجام دوزخ ہے۔ (ابن ماجہ)

نور مجسم ﷺ کا فرمان عالیشان ہے، جو اپنے والدین کو ایک بار محبت و مہربانی کی نگاہ سے دیکھے اللہ تعالیٰ اسکے بدلے ایک مقبول حج لکھے گا۔ عرض کی گئی، یا رسول اللہ ﷺ! اگر کوئی روزانہ سو بار دیکھے پھر بھی یہ اجر ہے؟ فرمایا، ہاں! اللہ تعالیٰ بہت بڑا اور پاک ہے۔ (مشکوٰۃ)

ایک صحابی نے جہاد میں شرکت کے لیے آقا و مولیٰ ﷺ سے اجازت مانگی تو ارشاد ہوا، تم اپنے والدین کی خدمت کرو، جنت انہیں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (نسائی، ابن ماجہ)

غیب بتانے والے آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمانِ ذیشان ہے، تم دوسروں کی عورتوں سے پرہیز کر کے پاسا ہو جاؤ، ایسا کرنے سے تمہاری عورتیں پارسا رہیں گی؛ تم اپنے والدین سے اچھا سلوک کرو، ایسا کرنے سے تمہاری اولاد تم سے اچھا سلوک کرے گی۔ (متدرک للحاکم)

ایک صحابی نے بارگاہ اقدس میں عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! کیا میرے والدین کی وفات کے بعد مجھ پر انکے کوئی حقوق ہیں؟ فرمایا، ہاں! انکے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرنا، انکے کیے ہوئے وعدے پورے کرنا، انکے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا اور انکے دوستوں کا احترام کرنا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

احمد مختار محبوب پروردگار ﷺ کا ارشاد ہے، جو اپنے ماں باپ یا کسی ایک کی قبر پر ہر جمعہ کو زیارت کے لیے حاضر ہو، اللہ تعالیٰ اسکے گناہ بخش دے گا اور وہ والدین کے ساتھ بھلائی کرنے والا لکھا جائے گا۔ (مشکوٰۃ)

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا، والدین کے انتقال کے بعد ان سے حسن سلوک یہ ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ انکے (ایصالِ ثواب کے) لیے بھی نماز پڑھو اور اپنے روزوں کے ساتھ انکے (ایصالِ ثواب کے) لیے بھی روزے رکھو۔ (شرح الحقوق لطرح العقوق بحوالہ دارقطنی)

ایک حدیث پاک میں بڑے بھائی کے حق کے بارے میں فرمایا گیا، بڑے بھائی کا حق چھوٹے پر ایسا ہے جیسے باپ کا حق بیٹے پر۔ (مشکوٰۃ)

یونہی ایک شخص نے جس کی والدہ فوت ہو چکی تھی، قبولِ توبہ کے لیے بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کی تو ارشاد ہوا، ”تو اپنی خالہ کے ساتھ حسن سلوک کر۔“ (ترمذی)

علماء فرماتے ہیں، باپ کے بعد دادا اور بڑے بھائی کا مرتبہ ہے اسی طرح بڑی بہن اور خالہ ماں کے قائم مقام ہیں۔ (بہار شریعت بحوالہ رد المحتار) اسی طرح ساس و سرکو

بھی ماں باپ کی جگہ جان کر انکی تعظیم و خدمت کرنی چاہیے۔

رشتے داروں سے حسن سلوک کے متعلق بھی احادیث مبارکہ میں بہت زور دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے، رشتے توڑنے والا جنت میں نہ جائے گا۔ (بخاری، مسلم)
دوسری جگہ فرمایا گیا، جو یہ چاہے کہ اسکے رزق میں وسعت ہو اور اسکی عمر دراز ہو تو اسے چاہیے کہ وہ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے۔ (بخاری، مسلم)
آقا و مولیٰ ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے، صلہ رحمی یہ نہیں کہ رشتے دار کے احسان کا بدلہ دیا جائے بلکہ صلہ رحمی یہ ہے کہ جب رشتہ دار تعلق توڑیں پھر بھی ان سے اچھا سلوک کیا جائے۔ (بخاری)

اساتذہ کے حقوق کے متعلق ”شرح الحقوق لطرح العقوق“ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،
استاد کی ناشکری و نافرمانی باپ کی نافرمانی کی مثل ہے کیونکہ استاد باپ کا درجہ رکھتا ہے۔ آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، میں تمہارا باپ ہی ہوں کہ تم کو علم سکھاتا ہوں۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) بلکہ علماء نے فرمایا ہے کہ استاد کا درجہ والدین سے زیادہ ہے کیونکہ ان سے جسمانی زندگی وابستہ ہے اور استاد روحانی حیات کا سبب ہے۔
سید عالم ﷺ کا فرمان ہے، ”جس نے کسی بندے کو کتاب اللہ کی کوئی آیت سکھادی وہ اس کا آقا ہو گیا۔“ (طبرانی) مولیٰ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ”جس نے مجھے ایک حرف پڑھایا تو اس نے مجھے اپنا بندہ بنالیا، وہ اگر چاہے تو نیچے اور چاہے تو آزاد کرے۔“
نبی کریم ﷺ نے استاد کے سامنے تواضع و انکساری اپنانے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد ہوا، ”علم حاصل کرو اور علم کے لیے سکون و وقار دیکھو اور جس سے تم علم حاصل کرو اسکے سامنے تواضع اور عاجزی اختیار کرو۔“ (طبرانی فی الاوسط)

دین اسلام میں بوڑھے اور ضعیف لوگوں کے حقوق کے بارے میں خاص طور پر نصیحت کی گئی ہے۔
آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کے حق کو منافق ہی ہلکا جانے گا۔ اول: بوڑھا مسلمان، دوم: عالم باعمل، سوم: عادل حاکم۔ (ترمذی، طبرانی)
رحمت عالم ﷺ کا ارشاد ہے، سفید بالوں والے یعنی بوڑھے مسلمان کی عزت کرنا اللہ تعالیٰ کی تعظیم سے ہے۔ (ابوداؤد)
بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر شفقت اسلامی اخلاق کے اہم اصول ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت و مہربانی نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے۔ (احمد، ترمذی)

آقا و مولیٰ ﷺ نے معاشرے کے کمزور افراد مثلاً بیوہ، یتیم و مسکین کی خبر گیری اور مدد کرنے کی بیحد تلقین فرمائی ہے۔
ارشاد ہوا، بیوہ اور مسکین کے لیے امدادی کوشش کرنے والا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔ (بخاری، مسلم)
حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہونگے جیسے دو انگلیاں باہم قریب ہوتی ہیں۔ (بخاری)
ایک اور ارشاد گرامی ہے، ”جو کسی یتیم کی پرورش کرے، اللہ تعالیٰ اسکے لیے جنت لازم فرما دیتا ہے بشرطیکہ وہ کوئی ناقابل بخشش کام نہ کرے۔“ (مشکوٰۃ)
پڑوسی کے حقوق کے متعلق احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔

ارشاد ہوا، ”وہ جنت میں نہیں جائے گا جس کے شر سے اسکے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔“ (مسلم)
یہ بھی فرمایا، ”وہ کامل مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اسکا پڑوسی بھوکا رہے۔“ (مشکوٰۃ)
یہ بھی ارشاد ہوا، ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کا خیر خواہ ہو۔“ (ترمذی)
مہمان کے حقوق کے بارے میں آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا احترام کرے۔ اسکی مہمانی ایک دن اور ایک رات ہے اور اسکی دعوت تین دن ہے اور اسکے بعد وہ صدقہ ہے۔ مہمان کو یہ جائز نہیں کہ اسکے پاس ٹھہرا رہے یہاں تک کہ اسے تنگ کر دے۔ (بخاری، مسلم)
ایک مسلمان پر دوسرے مسلمانوں کے حقوق کے متعلق آقائے دو جہاں ﷺ کا فرمان عالیشان ہے،

”مسلمان پر مسلمان کے چھ (6) حقوق ہیں۔ جب اس سے ملو تو سلام کرو، جب وہ دعوت دے تو قبول کرو، جب تم سے خیر خواہی چاہے تو بھلائی کرو، جب چھینکے اور الحمد للہ کہے تو بَرَ حَمْدُکَ اللہ کہو، جب وہ بیمار ہو تو عیادت کرو اور جب اسکا انتقال ہو تو جنازے میں جاؤ۔“ (مسلم) ایک اور ارشاد گرامی ہے، ”اللہ عز و جل اس پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔“ (بخاری)

آخر میں وہ جامع حدیث پاک ملاحظہ کیجیے جس پر عمل کرنے سے مثالی فلاحی معاشرے کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے۔
آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، ”تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے (دینی) بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“ (بخاری، مسلم)

☆ طلاق کی اقسام اور مسائل ☆

سوال: طلاق کی کتنی قسمیں ہیں؟ چند ایسے معروف جملے بتائیے جن سے طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے۔ نیز طلاق کے متعلق ضروری مسائل بیان کیجیے۔

جواب: طلاق کے لفظی معنی چھوڑ دینے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں طلاق سے مراد شوہر و بیوی کے درمیان جدائی یا علیحدگی واقع ہونا ہے۔ جب شوہر و بیوی ایک دوسرے کے لیے آرام و سکون کی بجائے اذیت و پریشانی بن جائیں، مصالحت کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں اور ازدواجی تعلق برقرار رہنے کی کوئی صورت ممکن نہ رہے تو جدائی کے لیے اسلام نے طلاق کا قانون بیان کیا جسے سخت مجبوری کے عالم میں استعمال کیا جائے۔

یہ ایسا جائز فعل ہے جو رب کریم کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز کاموں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ کام طلاق دینا ہے۔“ (ابوداؤد)

شریعت مطہرہ نے جہاں مرد کو یہ احساس دلایا کہ شرعی وجہ کے بغیر طلاق دینا مکروہ اور ممنوع ہے وہیں عورت کو بھی خبردار کیا کہ وہ بغیر اشد مجبوری کے ہرگز طلاق نہ مانگے ورنہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، ”جو عورت کسی شدید مجبوری کے بغیر اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے گی اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔“ (ترمذی)

کم نصیبی سے ہمارے معاشرے میں جہالت کے باعث یہ وبا پھیل رہی ہے کہ شوہر و بیوی میں جہاں جھگڑا ہو، غصے کی حالت میں صبر و درگزر کے بجائے فوراً طلاق دے دیتے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ بیک وقت تین طلاقیں دیتے ہیں اور پھر غصہ ٹھنڈا ہونے پر ساری عمر بچھتاتے ہیں یا پھر پہلے تو حیلے بہانے تراشتے ہیں کہ ”غصہ میں طلاق دی۔“

غور کیجیے کیا پیار محبت میں بھی کوئی طلاق دیتا ہے؟ ظاہر ہے کہ طلاق تو عموماً غصے ہی میں دی جاتی ہے اور طلاق بہر حال واقع ہو جاتی ہے۔ پھر یہ ایسے ایمان فروشوں کو تلاش کرتے ہیں جو نہ کسی امام کو مانتے ہیں اور نہ ہی صحابہ کرام کو۔ یہ بد مذہب غیر مقلد فتویٰ دیتے ہیں کہ تین طلاقیں ایک ہی طلاق ہوتی ہے۔ یوں بعض نفس پرست انکے فریب میں آ کر تمام عمر حرام کاری میں مبتلا رہتے ہیں۔ حالانکہ بیک وقت تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ (اس پر آئندہ صفحات میں دلائل بیان کیے جائیں گے۔)

طلاق کی اقسام:

طلاق دینے کے لیے دو قسم کے الفاظ ادا کیے جاتے ہیں۔

(۱) صریح، (۲) کنایہ۔

طلاق صریح وہ ہے جس میں طلاق کا لفظ استعمال ہو یا ایسے الفاظ کہنا جن سے طلاق مراد ہونا ظاہر ہو اگرچہ وہ کسی زبان کے ہوں۔ جیسے ”میں نے تجھے چھوڑا“ صریح ہے، اس سے ایک طلاق ہو جائے گی خواہ نیت ہو یا نہیں۔ یہ طلاق رجعی کہلاتی ہے یعنی عدت کے اندر رجوع کیا جاسکتا ہے۔ رجوع نہ کرنے پر عدت ختم ہونے پر وہ نکاح سے نکل جائے گی، اگر عدت گزرنے کے بعد رشتہ جوڑنا چاہیں تو دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔

ایسے الفاظ جن سے طلاق مراد ہونا ظاہر نہ ہو اور دوسرے معنوں میں بھی انکا استعمال ہوتا ہو، ایسے الفاظ کنایہ کہلاتے ہیں۔ کنایہ سے طلاق واقع ہونے میں یہ شرط ہے کہ طلاق کی نیت ہو یا حالت بتاتی ہو کہ طلاق مراد ہے یا پہلے سے طلاق کا ذکر تھا یا غصہ میں کہا۔

کنایہ کے الفاظ تین طرح کے ہیں۔

اول: جن میں سوال رد کرنے کا احتمال ہے ان الفاظ کے کہنے میں نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی۔ دوم: جن میں گالی کا احتمال ہے ان سے طلاق ہونا خوشی اور غضب میں نیت پر موقوف ہے اور اگر پہلے سے طلاق کا ذکر تھا تو نیت کی ضرورت نہیں۔

سوم: جو فقط کسی بات کا جواب ہوں۔ خوشی کی حالت میں نیت کا ہونا ضروری ہے اور غضب و مذاکرہ کے وقت بغیر نیت بھی طلاق ہو جائے گی۔

کنایہ کے بعض الفاظ یہ ہیں: تو حرام ہے، تو علیحدہ ہے، تو جدا ہے، تو اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا، میں نے تجھے چھوڑ دیا، میں نے تجھے جدا کر دیا، تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، اپنے آپ کو اختیار کر، تیری رسی تیری گردن پر، اٹھ جا، نکل جا، چلی جا، اجنبی ہو جا، پردہ کر لے، اور شوہر ڈھونڈ لے، تو آزاد ہے، بھاڑ میں جا، دفع ہو، کالا منہ کر۔

کنایہ کے الفاظ سے ایک بائن طلاق واقع ہوگی البتہ اگر تین کی نیت کرے تو تین واقع ہوگی اور اگر دو کی نیت کی تو ایک ہی واقع ہوگی۔ طلاق بائن کا مطلب یہ ہے کہ عورت نکاح سے نکل گئی اب رشتہ جوڑنے کے لیے دوبارہ نکاح ضروری ہے خواہ عدت کے اندر ہو یا بعد۔ اگر تین طلاقیں کی نیت کی تھی تو حلالہ کے بغیر اس سے نکاح ممکن نہیں۔

ان الفاظ سے طلاق نہ ہوگی اگرچہ نیت کی ہو۔ مجھے تیری حاجت نہیں، مجھے تجھ سے کام نہیں، مجھے تجھ سے غرض نہیں، تو مجھے درکار نہیں، میں تجھے نہیں چاہتا، مجھے تجھ سے رغبت نہیں۔

صریح طلاق کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ طلاق احسن: یہ طلاق دینے کا سب سے اچھا طریقہ ہے۔ جب عورت ایام حیض کے بعد پاک ہو جائے تو شوہر اس سے صحبت نہ کرے اور اسے ایک طلاق دے کر چھوڑ دے، یہاں تک کہ عدت گزر جائے۔ یہ طلاق رجعی ہے، اگر عدت کے دوران شوہر رجوع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور اگر عدت گزر جائے تو نئے سرے سے نکاح کر کے اس سے رشتہ جوڑ سکتا ہے۔

۲۔ طلاق حسن: اس کا طریقہ یہ ہے کہ پاکیزگی کی حالت میں ایک طلاق دے پھر حیض گزرنے کے بعد ایام پاکیزگی میں دوسری طلاق دے اور پھر حیض گزرنے کے بعد تیسری حالت پاکیزگی میں تیسری طلاق دے۔ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد شوہر رجوع کر سکتا تھا لیکن تین طلاق کے بعد طلاق مغلطہ بن چکی لہذا نہ تو رجوع ہو سکتا ہے اور نہ ہی نیا نکاح ممکن ہے اس لیے دوبارہ ازدواجی رشتہ قائم کرنے کے لیے حلالہ ضروری ہے۔

اس طریقے سے طلاق دینے میں یہ فائدہ ہے کہ شوہر دوسری یا تیسری طلاق دینے سے قبل اچھی طرح سوچ سکتا ہے اور اس دوران اصلاح احوال کے لیے مناسب کوشش بھی کی جاسکتی ہے اور شوہر کے پاس رجوع کی گنجائش بھی ہے جبکہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے رجوع کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور اسکے پاس اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی گنجائش بھی نہیں رہتی۔

۳۔ طلاق بدعت: وہ طلاق جو سنت طریقے کے خلاف دی جائے، طلاق بدعت کہلاتی ہے۔ اسکی چار صورتیں ہیں۔

اول: بیک وقت تین طلاقیں دینا،

دوم: جس طہر یعنی پاکیزگی میں جماع کیا اسی میں طلاق دینا،

سوم: ایک طہر میں دو یا تین طلاقیں دینا،

چہارم: حیض کی حالت میں طلاق دینا۔

حیض کی حالت میں طلاق دینا حرام ہے۔ اگر کسی نے حیض کے ایام میں ایک یا دو طلاقیں دی ہوں تو رجوع کرنا ضروری ہے، اگر رجوع نہ کیا تو گناہ گار ہوگا۔ جب عورت حیض سے پاک ہو جائے اور پھر دوبارہ ایک حیض گزرنے پر عورت پاک ہو تو اب اگر طلاق دینا چاہے تو طلاق دیدے۔

بیک وقت تین طلاقیں دینا بھی طلاق بدعت اور گناہ ہے مگر تینوں طلاقیں اسی وقت نافذ ہو جائیں گی۔ اس صورت میں حلالہ کے بغیر انکے ملاپ کی کوئی صورت نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ”پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے، پھر وہ دوسرا، اگر اسے طلاق دے دے تو

ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں، اگر سمجھتے ہوں کہ اللہ کی حدیں نباہیں گے، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں (وہ) بیان کرتا ہے دانش مندوں کے لیے“۔

(البقرة: ۲۳۰)

معلوم ہوا کہ جب کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے خواہ بیک وقت دے خواہ علیحدہ علیحدہ، تو عورت شوہر پر بحرمۃ مغلطہ حرام ہو جاتی ہے۔ اسے دوبارہ بیوی بنانے

کے لیے حلالہ ضروری ہوگا۔ حلالہ کا طریقہ یہ ہے کہ عدت کے بعد وہ عورت کسی دوسرے سے نکاح کرے اور وہ حقوق زوجیت پورے کریں، پھر اگر وہ شخص اپنی مرضی سے

طلاق دیدے تو عورت عدت گزار کر پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔

طلاق غصہ میں دی جائے یا نشہ میں، واقع ہو جاتی ہے یوں ہی حمل کی حالت میں بھی عورت کو طلاق ہو جاتی ہے۔ اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی مگر لوگوں سے کہا کہ

میں نے طلاق دیدی تو طلاق ہو جائے گی، اسی طرح اگر ایک طلاق دی اور لوگوں سے کہا کہ تین طلاقیں دی ہیں تو تین نافذ ہوگی اگرچہ کہے کہ میں نے جھوٹ کہا تھا۔

اگر شوہر نے تین طلاقیں دیں اور بعد میں منکر گیا، اور عورت کے پاس گواہ نہیں ہے تو عورت کو چاہیے کہ جس طرح ممکن ہو اس سے پیچھا چھڑائے۔ مہر معاف کر کے یا اپنا مال

اسکو دے کر اس سے علیحدہ ہو جائے۔ اگر وہ نہ چھوڑے تو عورت مجبور ہے پھر بھی اس فکر میں رہے کہ اس سے رہائی ملے، پوری کوشش کرے کہ وہ صحبت نہ کرنے پائے۔

عورت جب ان باتوں پر عمل کرے گی تو معذور ہے اور شوہر بہر حال گناہ گار ہے۔

(ماخوذ از بہار شریعت، فتاویٰ رضویہ)

☆ تین طلاقوں کا مسئلہ ☆

سوال: غیر مقلد کہتے ہیں کہ عہد رسالت میں ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق شمار ہوتی تھی۔ تین طلاقوں کو تین قرار دینے کی بدعت بعد میں شروع ہوئی۔ آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: صحیح احادیث مبارکہ، اجماع صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین کے اقوال سے ثابت ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی تھیں۔ بدعت کے متعلق ہم بعد میں تفصیل سے گفتگو کریں گے فی الوقت یہ جان لیجیے کہ عہد رسالت و دور صحابہ میں کیا معمول تھا اور اس معمول کے خلاف بدعت پیدا کرنے والے بدعتی کون ہیں؟ محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو یہ خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں۔ آقا و مولیٰ ﷺ یہ سن کر غصہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا، لوگ کتاب اللہ سے کھیل کرتے ہیں حالانکہ میں تمہارے درمیان ابھی موجود ہوں۔ (نسائی ج ۲ ص ۱۸۱)

اگر عہد نبوی میں تین طلاقیں ایک طلاق مانی جاتی تھیں تو آقا و مولیٰ ﷺ کے ناراض ہونے کا کیا سبب تھا؟ معلوم ہوا کہ تین طلاق ایک ساتھ دینا گناہ اور حضور ﷺ کو سخت ناپسند ہے۔ آپ یقیناً اسی لیے ناراض ہوئے کہ اس شخص نے سنت طریقے کے خلاف طلاق دے کر گناہ کا ارتکاب کیا۔

ایک اور حدیث پاک ملاحظہ کیجیے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ اقدس میں ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی نافذ ہوتی تھیں۔ حضرت ہبل بن سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عویر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے سامنے تین طلاقیں دیں تو آقائے دو جہاں ﷺ نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۰۶)

اسی طرح سنن دارقطنی میں ہے کہ حفص بن مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیں تو نبی کریم ﷺ نے انکی بیوی کو ان سے جدا کر دیا۔ اسی میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا ارشاد موجود ہے کہ ”میں نے رسول معظم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جو اپنی بیوی کو تین طلاق دے، خواہ ہر طہر میں الگ الگ یا ہر ماہ کے شروع میں ایک ایک یا ایک ساتھ تین طلاق دے، اسکی بیوی حلال نہیں ہوگی جب تک کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے“۔ (دارقطنی ج ۳ ص ۳۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے عرض کیا، میں نے اپنی بیوی کو سو (۱۰۰) طلاقیں دیدیں۔ آپ نے فرمایا، ”اسے تین طلاقیں ہو گئیں اور ستانوے (۹۷) طلاقوں سے تو نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑایا“۔ (موطا امام مالک صفحہ ۵۱۰)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ ”جو ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے تو وہ اسکے لیے حلال نہ ہوگی“۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ ص ۳۳۵)

صحیح مسلم کتاب الطلاق میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ قانون بنا دیا گیا کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی۔ اسکی شرح میں امام نووی نے فرمایا، صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں تین ہی ہوں گی۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جو تین طلاق ایک ساتھ دیتا، آپ اسے دُڑے مارتے تھے۔

اس مسئلہ کا پس منظر یہ ہے کہ دو بار روتی سے قبل لوگ ایک بار طلاق دیتے اور دو بار اسکی تاکید کرتے، مثلاً تجھے طلاق ہے طلاق طلاق۔ پہلی بار طلاق کی نیت سے طلاق کہتے اور دو بار تاکید کے طور پر اسے دہراتے۔ بعد میں تین طلاق کی نیت سے تین بار طلاق کہنے لگے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انکی نیتوں کے مطابق شرعی حکم نافذ فرما دیا۔ (نووی شرح مسلم)

امام نووی جلد اول صفحہ ۴۷۸ پر رقمطراز ہیں، ”بیک وقت تین طلاقوں کے تین ہونے کے بارے میں امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور جمہور علماء سلف و خلف کا اتفاق ہے۔“

غیر مقلد حضرات اپنے موقف کی تائید میں جو حدیث مسلم شریف سے پیش کرتے ہیں، محدثین کے نزدیک وہ شاذ، معطل اور غیر صحیح ہے۔ اسکا ایک سبب یہ ہے کہ اسکے راوی طاؤس قابل اعتماد نہیں، اور دوسرا بڑا سبب یہ ہے کہ اسکے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں جو کہ خود تین طلاقوں کو تین قرار دیتے ہیں جیسا کہ موطا امام مالک کی حدیث اوپر بیان ہوئی۔ لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ حضور ﷺ سے ایک بات روایت کریں اور پھر خود اسکے خلاف فتویٰ دیں۔

دوسری روایت جو یہ حضرات مسند احمد سے بطور دلیل لاتے ہیں وہ منکر اور ضعیف ہے۔ اسماء الرجال کی کتب میں اسکے ایک راوی کو ضعیف اور دوسرے کو جھوٹا بتایا گیا ہے۔ علامہ بصاص نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔ (احکام القرآن ص ۲۸۸)

ان دلائل سے ثابت ہو گیا کہ صحابہ و تابعین کرام نیز حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

☆ ظہار کے مسائل ☆

سوال: ظہار سے کیا مراد ہے؟ کسی نے اپنی بیوی سے کہا، ”تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے“۔ کیا یہ ظہار ہے؟ ظہار کا کفارہ کیا ہے؟

جواب: ظہار کے معنی یہ ہیں کہ اپنی بیوی یا اسکے ایسے جزو کو جو گل سے تعبیر کیا جاتا ہے، ایسی عورت سے تشبیہ دینا جو اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو یا اسکے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس عضو کی طرف اس مرد کو دیکھنا حرام ہے۔ جیسے یہ کہنا، تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے، یا تیری گردن یا تیرا سر میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے۔

عورت کے سر یا چہرہ یا گردن یا شرمگاہ کو محارم سے تشبیہ دی تو ظہار ہے اور اگر عورت کی پیٹھ یا پیٹ یا ہاتھ یا پاؤں یا ران کو تشبیہ دی تو کچھ نہیں۔ یوں ہی اگر محارم کے ایسے عضو سے تشبیہ دی جس کی طرف نظر کرنا حرام نہ ہو مثلاً سر یا چہرہ یا ہاتھ یا پاؤں یا بال تو ظہار نہیں اور اگر گھٹنے سے تشبیہ دی تو ظہار ہے۔

محارم کی پیٹھ یا پیٹ یا ران سے تشبیہ دی یا یہ کہا کہ میں نے تجھ سے ظہار کیا، تو نیت کچھ بھی نہ ہو یا طلاق کی نیت ہو یا تعظیم و تکریم کی نیت ہو، ہر حالت میں ظہار ہی ہے۔ اگر بیوی کو بہن، بیٹی یا ماں کہا تو ظہار نہ ہوا، مگر ایسا کہنا مکروہ ہے۔

اگر بیوی سے کہا، ”تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے“ تو نیت دریافت کی جائے گی:۔

..... اگر اسکے اعزاز و تکریم کے لیے کہا تو کچھ نہیں،

..... اگر طلاق کی نیت ہے تو طلاق بائن واقع ہوگی،

..... اگر ظہار کی نیت ہے تو ظہار ہے، اور کچھ نیت نہ ہو تو کچھ نہیں۔

ظہار کا حکم یہ ہے کہ مرد جب تک کفارہ نہ دے دے اس وقت تک وہ عورت اس پر حرام رہے گی۔ اس کا کفارہ یہ ہے کہ مرد لگاتار دو ماہ کے روزے رکھے، اگر اس کی قدرت نہ

ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

☆ رجعت کا مسنون طریقہ ☆

سوال: کسی نے اپنی عورت کو طلاق رجعی دی، اب وہ رجوع کرنا چاہتا ہے، رجعت کا مسنون طریقہ بیان فرمادیجیے۔

جواب: رجعت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کسی لفظ سے رجعت کی جائے اور اس پر دو عادل لوگوں کو گواہ بنایا جائے، نیز عورت کو بھی اسکی خبر دی جائے تاکہ وہ عدت کے بعد کسی اور سے نکاح نہ کرے۔

اگر قول سے رجعت کی مگر گواہ نہ کیے یا عورت کو خبر نہ کی تو رجعت ہو جائے گی مگر مکروہ اور خلاف سنت ہے۔ اور اگر کسی فعل سے رجعت کی تو رجعت ہوگئی مگر مکروہ ہے اسلیے پھر گواہوں کے سامنے رجعت کے الفاظ بھی کہنے چاہئیں۔

رجعت کے الفاظ یہ ہیں، میں نے تجھ سے رجعت کی یا تجھ کو واپس اپنے نکاح میں لیا یا میں نے تجھے روک لیا یا میں نے اپنی بیوی سے رجعت کی۔ ان الفاظ سے نیت کے بغیر بھی رجعت ہو جاتی ہے۔

اگر یہ کہا کہ تو میرے نزدیک ویسی ہی ہے جیسی پہلے تھی یا کہا، تو میری عورت ہے، اگر رجعت کی نیت تھی تو رجعت ہوگئی ورنہ نہیں۔
رجعت میں عورت کی رضا مندی ضروری نہیں، اگر عورت انکار بھی کرے رجعت ہو جائے گی۔

☆ خلع کے مسائل ☆

سوال: خلع کسے کہتے ہیں؟ اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہو تو کیا شوہر طلاق کے عوض اس سے مہر کے علاوہ زائد مال کا مطالبہ کر سکتا ہے؟

جواب: اسلام نے طلاق دینے کا اختیار مرد کو عطا کیا ہے اور ساتھ ہی عورت کو یہ حق دیا ہے کہ اگر شوہر اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا اور اسکے حقوق پامال کرتا ہے تو اس صورت میں وہ طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ اسے خلع کہتے ہیں۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ عورت شوہر سے یوں کہے کہ میں تمہیں اتنا مال دیتی ہوں یا جو مہر کی رقم تمہارے ذمہ ہے وہ رکھ لو اور مجھے طلاق دے دو۔ اگر شوہر اسے مان لے تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

اگر مرد کی طرف سے زیادتی کے باعث عورت طلاق لینے پر مجبور ہو تو شوہر کو چاہیے کہ طلاق کے بدلے میں اس سے کوئی معاوضہ نہ لے۔ اور اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہو تو شوہر کو صرف مہر کی رقم پر خلع کرنی چاہیے اس سے زیادہ مال نہیں لینا چاہیے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے ان سے خلع کا مطالبہ کیا، ان کا مہر ایک باغ تھا۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا، کیا تم یہ باغ واپس کرتی ہو؟ انہوں نے عرض کی، یہ باغ بھی اور اس کے ساتھ مزید مال بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، صرف باغ، اس سے زیادہ نہیں۔ گویا جو باغ مہر میں دیا گیا تھا اسی پر نبی کریم ﷺ نے خلع کا فیصلہ فرمایا۔ (ہدایہ)

☆ عدت کے احکام و مسائل ☆

سوال: عدت کسے کہتے ہیں؟ طلاق اور وفات کی عدت کے متعلق ضروری مسائل ارشاد فرمائیے۔

جواب: عورت طلاق ہو جانے یا شوہر فوت ہو جانے کی صورت میں ایک مخصوص مدت تک دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی، اسے ”عدت“ کہتے ہیں۔
طلاق کی عدت کی تین صورتیں ہیں:

- ۱۔ اگر عورت حاملہ ہے تو اسکی عدت بچہ پیدا ہونے تک ہے۔ جب بچہ پیدا ہوگا عدت ختم ہو جائے گی۔
 - ۲۔ اگر عورت حاملہ نہیں اور اسے حیض آتا ہے تو اسکی مدت تین حیض ہے۔ یعنی جس پاکیزگی کے دنوں میں اسے طلاق ہو اس کے بعد جب تین حیض گزر جائیں تو تیسرے حیض کے ختم ہونے پر اسکی عدت ختم ہو جائے گی۔
 - ۳۔ اگر عورت کو کسی سبب حیض نہیں آتا اور وہ حاملہ بھی نہیں تو ایسی عورت کی عدت تین ماہ ہے۔
- جب کسی عورت کا شوہر وفات پا جائے اور وہ حاملہ ہو تو اسکی عدت بچہ پیدا ہونے تک ہے اور اگر وہ حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔
عدت کے دوران عورت نہ تو کسی سے نکاح کر سکتی ہے اور نہ ہی اسے نکاح کا پیغام دیا جاسکتا ہے۔
عورت کو چاہیے کہ وہ عدت اسی مکان میں گزارے جہاں طلاق دی گئی یا شوہر کا انتقال ہوا۔ اس دوران مطلقہ عورت کے اخراجات اسکے شوہر کے ذمہ ہونگے۔
اگر بیوہ عورت رزق کے حصول کے لیے باہر نکلنے پر مجبور ہو تو اسے اجازت ہے کہ دن میں اور رات کے کچھ حصے میں باہر جائے اور رات کا اکثر حصہ اپنے مکان میں گزارے مگر حاجت سے زیادہ باہر ٹھہرنے کی اجازت نہیں۔

اگر اسکے پاس بقدر کفایت خرچ موجود ہے تو اسے گھر سے نکلنا مطلقاً منع ہے۔ یوں ہی اگر کوئی سودا لانے والا نہ ہو تو اسکے لیے بھی جاسکتی ہے۔

طلاق بائن یا تین طلاق کی عدت میں ضروری ہے کہ شوہر اور اسکی بیوی میں پردہ ہو یعنی انکے درمیان کسی چیز سے آڑ کر دی جائے کہ شوہر ایک طرف رہے اور عورت دوسری طرف۔ عورت کا اسکے سامنے محض اپنا بدن چھپانا کافی نہیں کیونکہ عورت اب احتیہ ہے اور اس سے خلوت جائز نہیں بلکہ یہاں فتنہ کا زیادہ اندیشہ ہے۔

اگر مکان اتنا تنگ ہو کہ دونوں الگ الگ رہ سکیں تو شوہر اتنے دنوں تک خود مکان چھوڑ دے، عورت کو دوسری جگہ بھیجنا جائز نہیں۔

اگر شوہر فاسق ہو تو حکماً اسے مکان سے علیحدہ کر دیا جائے اور اگر وہ نہ نکلے تو وہاں کوئی دانشمند عورت بھیج دی جائے جو فتنہ کو روک سکے۔

ان مسائل سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو کس قدر حقوق دیے ہیں، یہاں تک کہ طلاق کے بعد عدت کے دوران شوہر نہ صرف عورت کو رہائش دینے کا پابند ہے بلکہ اسکے کھانے پینے وغیرہ کے ضروری اخراجات بھی شوہر ہی کے ذمے ہیں۔ دنیا کے کسی اور مذہب میں عورتوں کے حقوق کے متعلق ایسی مثال نہیں ملتی۔

جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا یا جس کو طلاق بائن ہو گئی اسے عدت کے دوران زیب و زینت اور بناؤ سنگھار نہیں کرنا چاہیے البتہ غسل کرنے یا صاف لباس پہننے کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ بناؤ سنگھار ترک کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ ہر قسم کا زیور، ہر رنگ کے ریشمی کپڑے، شوخ رنگ کا لباس، خوشبو، مہندی، سرمہ، تیل (اگرچہ خوشبودار نہ ہو) اور کنگھا استعمال کرنا منع ہے۔ عذر کی وجہ سے ان چیزوں کا بقدر ضرورت استعمال کیا جاسکتا ہے جبکہ زینت مقصود نہ ہو۔

جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی اسے نہ تو شوہر سے پردے کی ضرورت ہے اور نہ ہی بناؤ سنگھار کرنے میں کوئی مضائقہ ہے بلکہ بہتر ہے کیونکہ ممکن ہے اس طرح اسکا شوہر اسکی طرف مائل ہو اور رجوع کر لے۔

☆ عورتوں کی مزارات پر حاضری ☆

سوال: عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت کرنا اور اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری دینا شرعاً کیسا ہے؟ دلائل کے ساتھ وضاحت فرمائیے۔

جواب: اگرچہ بعض علماء نے عورتوں کو چند شرائط کے ساتھ قبروں کی زیارت کی اجازت دی ہے لیکن اس بارے میں ہمارا مسلک وہی ہے جو امام اہلسنت، مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ آپ نے اس موضوع پر ایک مدلل تحقیقی رسالہ ”جمل النور فی نہی النساء عن زیارة القبور“ تحریر فرمایا، اس رسالے سے چند نکات ملاحظہ فرمائیں۔

اعلیٰ حضرت ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں، عورتوں کے حالات کو دیکھتے ہوئے سوائے روضہ انور کی حاضری کے جو کہ واجب یا واجب کے قریب ہے، میں اولیاء کے مزارات یا دیگر قبور کی زیارت کو عورتوں کا جانا صاحبِ فتیۃ علامہ محقق ابراہیم حلبی کی تحقیق سے اتفاق کرتے ہوئے ہرگز پسند نہیں کرتا، خصوصاً اس طوفانِ بے تمیزی و رقص و مزامیر و سرود میں جو آج کل جاہلوں نے اعراسِ طیبہ میں برپا کر رکھا ہے، میں تو اس میں عام مردوں کی بھی شرکت پسند نہیں کرتا تو پھر انکی شرکت کیسے جائز ہو جن کے سامنے حضرت انجھ رضی اللہ عنہ کی خوش الحان حدی خوانی پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، اے انجھ! ان نازک شیشیوں کو نہ توڑو۔

نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو عیدین کی سخت تاکید فرمائی۔ دوسری حدیث پاک میں ہے، اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں آنے سے نہ روکو۔ (بخاری، مسلم) ان واضح احکامات کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے منع فرمایا۔ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت لے کر گئیں تو ام المؤمنین نے فرمایا،

”اگر نبی کریم ﷺ عورتوں کے یہ حالات ملاحظہ فرماتے تو ضرور انہیں مسجد سے منع فرما دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کر دی گئیں“۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد) عمدۃ القاری شرح بخاری جلد سوم میں علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، عورت سر تا پا چھپانے کی چیز ہے، وہ اپنے گھر کی تہہ میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتی ہے اور جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے دیکھتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے دن کھڑے ہو کر کنکریاں مار کر عورتوں کو مسجد سے نکالتے۔ امام ابراہیم نخعی تابعی (جو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے استاد کے استاد ہیں) اپنی عورتوں کو جمعہ و جماعت میں جانے سے منع فرماتے تھے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں، جب ان خیر کے زمانوں اور ان فیوض و برکات کے وقتوں میں عورتیں مسجدوں میں جانے اور جماعت میں شریک ہونے سے منع کر دی گئیں حالانکہ دین اسلام میں دونوں کی شدید تاکید ہے تو کیا اس برائیوں کے زمانے میں فیوض و برکات کے حصول کے حیلے سے عورتوں کو قبروں کی زیارت کو جانے کی اجازت دی جائے گی جس کی شریعت میں کوئی تاکید نہیں؟ اور خصوصاً ان میلوں ٹھیلوں میں جو جہلاء نے مزاراتِ کرام پر نکال رکھے ہیں، یہ فعل کس قدر شریعتِ مطہرہ کے خلاف ہے؟؟؟

عمدۃ القاری شرح بخاری جلد چہارم میں امام ابو عمر کا قول ہے کہ اکثر علماء نے تو نمازوں کے لیے عورتوں کا ٹکلنا مکروہ کہا ہے تو قبرستان جانے کا کیا حکم ہوگا؟ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ عورتوں سے فرض نماز جمعہ کا ساقط ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اسکے علاوہ یعنی زیارتِ قبور سے روکا جائے گا۔ عمدۃ القاری ہی میں ہے کہ ہمارے لوگوں نے کراہت کی دلیل یہ دی ہے کہ عورتوں کے ٹکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے اور یہ ٹکلنا ایک حرام کا سبب ہے اور جو کام حرام تک پہنچانے والا ہو وہ حرام ہی ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر مکروہ سے حرام مراد ہے کیونکہ اس زمانے میں فتنہ و فساد اور برائی عام ہے۔

فتیۃ نے نقل کیا ہے کہ امام قاضی سے فتویٰ پوچھا گیا کہ عورتوں کو قبرستان جانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا، ایسی جگہ جائز، ناجائز نہیں پوچھو بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کتنی لعنت ہوتی ہے؛ وہ جب گھر سے ٹکلنے کا ارادہ کرتی ہے اللہ تعالیٰ اور فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں، وہ جب باہر نکلتی ہے اسے ہر طرف سے شیطان گھیر لیتے ہیں، جب قبر تک پہنچتی ہے میت کی روح اس پر لعنت کرتی ہے، وہ جب واپس آتی ہے اللہ تعالیٰ کی لعنت میں ہوتی ہے۔

(ماخوذ از جمل النور فی نہی النساء عن زیارة القبور)

اس پُر فتن دور میں خواتین کو چاہیے کہ وہ بزرگانِ دین کی سیرت اور انکی تعلیمات پر مبنی کتب گھر میں رکھیں، خود بھی پڑھیں اور بچوں کو بھی پڑھوائیں اور جب کسی بزرگ کے عرس کا موقع آئے تو گھر ہی میں انکے ایصالِ ثواب کے لیے محفل منعقد کر لیں جس میں اگر ہو سکے تو انکی سیرت و تعلیمات بیان کریں ورنہ کھانے پینے کی کسی چیز پر فاتحہ پڑھ کر انہیں ایصالِ ثواب کریں۔ اسی طرح وہ اپنے عزیز و اقارب میں سے کسی کے لیے بھی تلاوتِ قرآن اور ذکر و اذکار کے بعد فاتحہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کر سکتی ہیں۔

☆ جہنم میں عورتوں کی کثرت کیوں؟ ☆

سوال: کہا جاتا ہے کہ اہل جہنم میں زیادہ تر عورتیں ہوں گی۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو اس کی کیا وجوہات ہیں؟

جواب: بخاری و مسلم میں ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ کا عورتوں کے پاس سے گذر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا، اے عورتو! تم صدقہ کیا کرو، میں نے جہنم میں اکثر عورتوں کو دیکھا ہے۔ عرض کی گئی، اسکی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تم لعنت زیادہ کرتی ہو، اپنے شوہر کی نعمتوں کی ناشکری کرتی ہو، میں نے تم سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا جو خود تو عقل و دین میں ناقص ہو لیکن بڑے بڑے عقلمندوں کی عقل کو ناکارہ کر دے۔

عرض کی گئی، ہمارے عقل و دین میں کیا کمی ہے؟ فرمایا، کیا عورتوں کی گواہی مردوں کی گواہی کے نصف کے برابر نہیں؟ عرض کی گئی، ہاں۔ ارشاد ہوا، یہ انکی عقل کی کمی ہے۔ پھر فرمایا، عورت کو جب حیض آئے تو وہ نماز نہیں پڑھتی اور روزہ نہیں رکھتی، کیا ایسا نہیں ہے؟ عرض کی گئی، ہاں ایسا ہی ہے۔ فرمایا، یہ انکے دین کی کمی ہے۔

آقا و مولیٰ ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے، میں نے جہنم میں عورتوں کو زیادہ دیکھا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! اسکی کیا وجہ ہے؟ فرمایا، انکی ناشکری کے باعث۔ عرض کی گئی، کیا وہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتی ہیں؟ آقا کریم ﷺ نے فرمایا، وہ شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور اسکے احسانات کا انکار کرتی ہیں؛ اگر تم عورت پر طویل عرصہ احسان کرتے رہو پھر اسے تمہاری طرف سے معمولی فرق نظر آئے تو کہتی ہے، میں نے تو تم سے آج تک کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔ (بخاری)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جہنم میں زیادہ تر عورتیں ہوں گی اور انکے جہنم میں جانے کی دو بڑی وجوہات حضور ﷺ نے بیان فرمائیں۔ اول یہ کہ وہ کثرت سے لعن طعن کرتی ہیں اور دوم یہ کہ وہ اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کو ان برائیوں سے بچنے کے علاوہ کثرت سے صدقہ کرنا چاہیے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، ”صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بجھاتا ہے اور بری موت کو دور کرتا ہے“۔ (ترمذی) ایک اور حدیث پاک میں ہے، ”آگ سے بچو اگر چہ کھجور کا کچھ حصہ ہی صدقہ دو“۔ (بخاری)

یہ مسئلہ بھی ذہن نشین رہے کہ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اسکے مال سے اتنا صدقہ دے سکتی ہے جتنا دینے سے شوہر ناراض نہیں ہوتا۔ اس صدقہ کا ثواب دونوں کو برابر ہوگا اور ایک کے ثواب سے دوسرے کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

اول الذکر حدیث مبارکہ میں ایک اور حقیقت بیان ہوئی ہے وہ یہ کہ عورتیں خود تو عقل و دین میں ناقص ہیں لیکن بڑے بڑے عقلمندوں کی عقل پر پردے ڈال دیتی ہیں۔ اسکی کئی مثالیں معاشرے میں دیکھی جاسکتی ہیں؛ عورتوں کا بن سنور کر بے پردہ باہر نکلنا، بازاروں میں نامحرموں کے درمیان گھومنا پھرنا، مردوں کی مشابہت اختیار کرنا وغیرہ۔ ایسے سب کام اکثر عورت اس وقت کرتی ہے جب وہ اپنے گھر کے مردوں کی عقل کو ناکارہ بنا دیتی ہے۔ پردے کے متعلق ضروری مسائل و احکام پچھلے صفحات میں بیان کیے جا چکے ہیں۔

آقا و مولیٰ ﷺ نے عورتوں کی مشابہت کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔ (بخاری) یہ مشابہت لباس میں ہو یا زیب و زینت میں یا عادات و اطوار میں، کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ سید عالم ﷺ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کا سالباں پہنتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردانہ لباس پہنتی ہیں۔ (ابوداؤد) ایک اور حدیث پاک میں ارشاد ہوا، اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو اپنے جسم پر رنگ بھرواتی ہیں اور جو رنگ بھرتی ہیں، اور جو چہرے سے بال نوچتی ہیں اور جو بال نوچواتی ہیں، اور ان پر بھی جو اپنے دانتوں کے درمیان حسن کے لیے کشادگی بناتی ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے والی ہیں۔ (مسلم)

اس حدیث پاک میں بال نوچنے کا ذکر ابروؤں یا چہرے سے متعلق ہے البتہ داڑھی یا مونچھوں کی جگہ کے بال عورت کو نوچنا جائز ہے۔ ایک اور حرام فعل جس میں عورتیں کثرت سے مبتلا ہیں وہ میت پر نوحہ و بین کرنا ہے۔ صدر الشریعہ لکھتے ہیں، نوحہ یعنی میت کے اوصاف مبالغہ کے ساتھ بیان کر کے آواز سے رونا (اور چلانا) جسے بین کہتے ہیں، بالا جماع حرام ہے۔ گریبان پھاڑنا، منہ نوچنا، بال کھولنا، سر پر خاک ڈالنا، سینہ پیٹنا، ران پر ہاتھ مارنا یہ سب جاہلیت کے کام ہیں اور حرام ہیں۔ آواز سے رونا منع ہے اور آواز بلند نہ ہو تو اسکی ممانعت نہیں۔

(بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۳۶)

آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، جو اپنا منہ پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کا پکارنا پکارے یعنی نوحہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (بخاری، مسلم) نور مجسم ﷺ کا ارشاد ہے، جو سرمندائے اور چیخے چلائے یعنی نوحہ و بین کرے اور کپڑے پھاڑے، میں اس سے بیزار ہوں۔ (ایضاً) رسول معظم ﷺ نے نوحہ کرنے اور سننے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔ (ابوداؤد)

بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، آنکھ کے آنسو اور دل کے غم کے سبب اللہ تعالیٰ عذاب نہیں فرماتا، پھر زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، لیکن اسکے سبب عذاب یا رحم فرماتا ہے اور گھر والوں کے رونے کی وجہ سے میت پر عذاب ہوتا ہے یعنی جبکہ اس نے رونے کی وصیت کی ہو یا وہاں رونے کا رواج ہو اور اس نے منع نہ کیا ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ یا یہ مراد ہے کہ انکے رونے سے اسے تکلیف ہوتی ہے کہ دوسری حدیث میں آیا، اے اللہ کے بندو! اپنے مردے کو تکلیف نہ دو، جب تم رونے لگتے ہو وہ بھی

(بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۳۷)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدمہ کے وقت صبر کرنے کی بیحد تلقین فرمائی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے آدم کی اولاد! اگر تو شروع صدمہ کے وقت صبر کرے اور ثواب کا طالب ہو تو میں تیرے لیے جنت کے سوا کسی ثواب پر راضی نہیں۔ (ابن ماجہ)

ایک اور حدیث شریف میں عورتوں کو صبر کے بدلے میں جنت کی بشارت دی گئی۔ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے جس عورت کے تین بچے فوت ہو جائیں وہ اسے دوزخ سے بچالیں گے۔ ایک عورت بولی، جس کے دو بچے فوت ہو جائیں؟ فرمایا، دو بچے بھی آگ سے بچالیں گے۔ (بخاری) دوسری روایت میں ہے، جس کا ایک بچہ فوت ہو جائے وہ بھی اپنے ماں باپ کو آگ سے بچالے گا۔ (احمد ترمذی، ابن ماجہ) مسند احمد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ کچا بچہ بھی اپنی ماں کو جنت میں لے جائے گا بشرطیکہ وہ صبر کرے۔

اور جو چہرے سے بال نوچتی ہیں اور جو بال نوچواتی ہیں، اور ان پر بھی جو اپنے دانتوں کے درمیان حسن کے لیے کشادگی بناتی ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے والی ہیں۔ (مسلم)

اس حدیث پاک میں بال نوچنے کا ذکر بروؤں یا چہرے سے متعلق ہے البتہ داڑھی یا مونچھوں کی جگہ کے بال عورت کو نوچنا جائز ہے۔ ایک اور حرام فعل جس میں عورتیں کثرت سے مبتلا ہیں وہ میت پر نوحہ و بین کرنا ہے۔ صدر الشریعہ لکھتے ہیں، نوحہ یعنی میت کے اوصاف مبالغہ کے ساتھ بیان کر کے آواز سے رونا (اور چلانا) جسے بین کہتے ہیں، بالا جماع حرام ہے۔ گریبان پھاڑنا، منہ نوچنا، بال کھولنا، سر پر خاک ڈالنا، سینہ پیٹنا، ران پر ہاتھ مارنا یہ سب جاہلیت کے کام ہیں اور حرام ہیں۔ آواز سے رونا منع ہے اور آواز بلند نہ ہو تو اسکی ممانعت نہیں۔

(بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۳۶)

آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، جو اپنا منہ پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کا پکارنا پکارے یعنی نوحہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (بخاری، مسلم) نور مجسم ﷺ کا ارشاد ہے، جو سرمندائے اور چیخے چلائے یعنی نوحہ و بین کرے اور کپڑے پھاڑے، میں اس سے بیزار ہوں۔ (ایضاً) رسول معظم ﷺ نے نوحہ کرنے اور سننے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔ (ابوداؤد)

بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، آنکھ کے آنسو اور دل کے غم کے سبب اللہ تعالیٰ عذاب نہیں فرماتا، پھر زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، لیکن اسکے سبب عذاب یا رحم فرماتا ہے اور گھر والوں کے رونے کی وجہ سے میت پر عذاب ہوتا ہے یعنی جبکہ اس نے رونے کی وصیت کی ہو یا وہاں رونے کا رواج ہو اور اس نے منع نہ کیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یا یہ مراد ہے کہ آنکھ رونے سے اسے تکلیف ہوتی ہے کہ دوسری حدیث میں آیا، اے اللہ کے بندو! اپنے مردے کو تکلیف نہ دو، جب تم رونے لگتے ہو وہ بھی روتا ہے۔

(بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۳۷)

رحمت عالم ﷺ نے صدمہ کے وقت صبر کرنے کی بیحد تلقین فرمائی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے آدم کی اولاد! اگر تو شروع صدمہ کے وقت صبر کرے اور ثواب کا طالب ہو تو میں تیرے لیے جنت کے سوا کسی ثواب پر راضی نہیں۔ (ابن ماجہ)

ایک اور حدیث شریف میں عورتوں کو صبر کے بدلے میں جنت کی بشارت دی گئی۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے جس عورت کے تین بچے فوت ہو جائیں وہ اسے دوزخ سے بچالیں گے۔ ایک عورت بولی، جس کے دو بچے فوت ہو جائیں؟ فرمایا، دو بچے بھی آگ سے بچالیں گے۔ (بخاری) دوسری روایت میں ہے، جس کا ایک بچہ فوت ہو جائے وہ بھی اپنے ماں باپ کو آگ سے بچالے گا۔ (احمد ترمذی، ابن ماجہ)

مسند احمد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ کچا بچہ بھی اپنی ماں کو جنت میں لے جائے گا بشرطیکہ وہ صبر کرے۔

☆ میت کے غسل اور کفن کے مسائل ☆

سوال: جب کسی مسلمان کے انتقال کا وقت قریب آئے تو کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟ میت کو غسل دینے اور کفن پہنانے سے متعلق ضروری مسائل بھی بیان فرمائیے۔

جواب: جب کسی کی موت کا وقت قریب آئے اور موت کی علامات ظاہر ہونے لگیں (پاؤں ڈھیلے پڑ جائیں اور کھڑے نہ ہو سکیں اور ناک ٹیز بھی ہو جائے وغیرہ) تو سنت یہ ہے کہ اسے دائیں کروٹ پر لٹا کر منہ قبلہ کو کر دیں یا سیدھا لٹا کر پاؤں قبلہ کی طرف کر دیں اور سر ذرا سا اونچا کر دیں اس طرح بھی اسکا منہ قبلہ کی سمت ہو جائے گا اور اگر قبلہ کی سمت منہ کرنا دشوار ہو تو وہ جس حالت پر ہے رہنے دیں۔

نزع کی حالت میں اسے کلمہ کی تلقین کریں یعنی اسکے پاس بلند آواز سے کلمہء شہادت پڑھیں مگر اسے پڑھنے کے لیے ہرگز نہ کہیں کیونکہ ہو سکتا ہے وہ شدید تکلیف کے باعث انکار کر دے۔ اسکے پاس سورہ بقرہ اور سورہ الرعد کی تلاوت کی جائے اس سے روح نکلنے میں آسانی ہوتی ہے نیز وہاں اگر بتیاں سلگادیں تاکہ خوشبو رہے، یہ مستحب ہے۔

اس کمرے میں تصویر یا کوئی ناپاک شخص ہو تو اسے ہٹا دیں کیونکہ آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمان ہے، ”جس گھر میں کتا، تصویر یا کوئی ناپاک شخص ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔“ (مشکوٰۃ)

حیض اور نفاس والی عورتیں وہاں آ سکتی ہیں لیکن اگر حیض و نفاس ختم ہو جانے کے بعد انہوں نے غسل نہ کیا ہو تو وہاں نہ آئیں۔

جب روح نکل جائے تو میت کی آنکھیں بند کر دیں اور یہ دعا پڑھیں:-

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ عَلَیْهِ اَمْرَهُ وَسَهِّلْ عَلَیْهِ مَا بَعْدَهُ وَاَسْعِدْهُ بِلِقَائِكَ وَاجْعَلْ مَا خَرَجَ اِلَيْهِ خَيْرًا مِّمَّا خَرَجَ عَنْهُ۔

”اللہ تعالیٰ کے نام اور رسول اللہ ﷺ کی ملت پر اسکی آنکھیں بند کرتا ہوں، اے اللہ تعالیٰ! اس پر اسکے معاملے کو آسان فرما دے۔ اے اپنی ملاقات سے خوش قسمت بنادے اور جدھر یہ جارہا ہے اُسے یعنی آخرت کو اس جگہ یعنی دنیا سے بہتر بنادے جہاں سے یہ نکلا ہے۔“

میت کی آنکھیں بند کرنے کے بعد اسکے بازو اور ٹانگیں سیدھی کر دیں اور کپڑے کی چوڑی پٹی ٹھوڑی کے نیچے سے لے جا کر سر کے اوپر گرہ باندھ دیں تاکہ میت کا منہ کھلا نہ رہے۔ پیٹ پر لوہا یا کوئی بھاری چیز رکھ دیں تاکہ پیٹ پھول نہ جائے مگر ضرورت سے زیادہ وزنی نہ ہو کہ میت کے لیے باعث تکلیف ہے۔

میت کے ذمہ قرض ہو تو اسے جلد از جلد ادا کر دیا جائے نیز غسل و کفن میں بھی جلدی کرنی چاہیے۔ ان دونوں باتوں کی حدیث شریف میں بہت تاکید آئی ہے۔ میت کے پاس تلاوت اور ذکر و اذکار کرنا جائز ہے البتہ میت کے پاس بلند آواز سے رونا اور بکنا سخت ناجائز ہے۔ اگر غم کی شدت کے باعث آنسو بہائیں تو کوئی حرج نہیں جبکہ زبان پر کوئی شکایت یا بے صبری کا جملہ نہ آئے۔

میت کو وہ لوگ غسل دیں جن کا میت سے دلی تعلق ہوتا کہ اگر کوئی ناپسندیدہ بات دیکھیں تو کسی کو نہ بتائیں۔ میت کو جس چار پائی یا تختہ پر غسل دینا ہو اسے خوشبو کی دھونی دیں یا اسکے ارد گرد اگر بتیاں سلگا دیں، اور جس پانی سے غسل دینا ہو اسمیں پیری کے پتے ڈال کر پانی کو جوش دیں، اگر پتے نہ ملیں تو خالص پانی نیم گرم لے لیں۔

میت مرد ہو تو مرد غسل دے اور عورت ہو تو عورت نہلائے۔ عورت مر جائے تو اسکا شوہر نہ اسے نہلا سکتا ہے اور نہ چھو سکتا ہے البتہ دیکھنے کی ممانعت نہیں۔ شوہر اسکے جنازے کو کندھا بھی دے سکتا ہے اور اسے قبر میں بھی اتار سکتا ہے۔

میت کو کسی باپردہ جگہ چار پائی یا تختہ پر سیدھا لٹا دیں پھر ناف سے گھٹنوں تک کسی کپڑے سے پردہ کر کے اسکا لباس اتار دیں۔ میت کو غسل دینے والی اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ لے پھر میت کو پہلے استنجا کرائے پھر وضو کرائے؛ اس وضو میں نہ تو کلی کرائے اور نہ ہی ناک میں پانی ڈالے البتہ کوئی کپڑا یا روئی بھگو کر میت کے دانتوں، مسوڑھوں اور ہونٹوں پر اور ناک میں بھی پھیر دے۔ پھر صابن سے سر کے بال اچھی طرح دھو کر پانی بہائے۔ اب میت کو بائیں کروٹ لٹا کر سر سے پاؤں تک پانی بہائیں کہ نیچے تک پہنچ جائے پھر دائیں کروٹ لٹا کر بائیں طرف کو اچھی طرح دھوئیں اور پانی بہا دیں۔

پھر میت کو سہارا دیکر بٹھائیں اور نرمی کے ساتھ پیٹ پر نیچے کی طرف ہاتھ پھیریں اگر نجاست نکلے تو دھو دیں البتہ دوبارہ وضو و غسل نہ کرائیں۔ آخر میں سر سے پاؤں تک کافور کا پانی بہائیں اور کسی تو لیے یا پاک کپڑے سے جسم کو نرمی سے خشک کریں۔

مرد کے لیے سنت کفن تین کپڑے ہیں۔ ازار یعنی تہبند، قمیص اور لفافہ جبکہ عورت کے لیے سنت کفن پانچ کپڑے ہیں۔ مذکورہ تین کپڑوں کے علاوہ اوڑھنی اور سینہ بند بھی ہیں۔ انکی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

ازار وہ چادر ہے جو میت کے سر سے لے کر پاؤں تک لمبی ہو اور اتنی چوڑی ہو کہ دونوں طرف سے لپیٹی جاسکے۔ قمیص گردن سے گھٹنوں کے نیچے تک ہو اور آگے پیچھے سے برابر ہو، اسمیں عام قمیص کی طرح آستینیں اور اطراف میں سلائی نہیں ہوتی۔ میت کو قمیص پہنانے کے لیے مرد کی قمیص کو کندھے پر جبکہ عورت کی قمیص کو سینے کی طرف سے چیریں۔ قمیص کو کناروں سے لپیٹا نہیں جاتا اسلیے اسکی چوڑائی ازار اور لفافہ سے کم ہو۔

لفافہ وہ چادر ہے جو میت کے قد سے اتنی زیادہ لمبی ہو کہ دونوں طرف باندھی جاسکے۔ عورت کے لیے اوڑھنی کی مقدار تین ہاتھ یعنی ڈیڑھ گز ہے جبکہ سینہ بند سینے سے لے کر رانوں تک ہونا چاہیے۔

کفن پہنانے کا طریقہ:

کفن پہنانے کا طریقہ یہ ہے کہ کفن کے کپڑوں کو خوشبو لگا کر بستر پر پہلے بڑی چادر (لفافہ) بچھائیں اسکے اوپر دوسری چادر (ازار) بچھا دیں۔ پھر قمیص اس طرح بچھائیں کہ نیچے والا حصہ چادر پر ہو اور اوپر والا حصہ چار پائی کے سرہانے کی طرف کر دیا جائے۔ پھر میت کو اس پر لٹا کر اسکے سر کو قمیص کے چاک کیے ہوئے حصے سے گذار دیں پھر میت کے جسم پر خوشبو ملیں اور سجدے کی جگہوں یعنی پیشانی، ناک، ہاتھ، گھٹنے اور پاؤں کی پشت پر کافور لگائیں۔

میت عورت ہو تو قمیص یعنی کفنی پہنا کر سر کے بالوں کو دو حصے کر کے ایک کو ایک طرف سے اور دوسرے کو دوسری طرف سے قمیص کے اوپر سینہ پر ڈال دیں پھر اوڑھنی کو نصف پشت کے نیچے سے بچھا کر سر پر لا کر منہ پر نقاب کی طرح ڈال دیں تاکہ سینہ پر ہی رہے۔

پھر ازار کو پہلے بائیں اور پھر دائیں طرف سے میت پر لپیٹیں اسی طرح لفافے کو بھی پہلے بائیں اور پھر دائیں طرف سے لپیٹ دیں تاکہ دائیں طرف اوپر رہے۔ پھر سب کے اوپر سینہ بند اس طرح باندھیں کہ پستان کے اوپر سے ران تک رہے۔

کفن کے ساتھ اسی طرح کا کچھ زائد کپڑا بھی لینا چاہیے تاکہ اس سے تین دورے بنا کر سر کی اور پاؤں کی طرف سے باندھ دیں اور اگر ضرورت ہو تو درمیان میں بھی باندھ دیں مگر زیادہ تنگ کر کے نہ باندھیں، اس درمیانی بند کو دفن کے وقت کھول دیا جائے۔

(فتاویٰ رضویہ، بہار شریعت)

☆ طعام میت کے مسائل ☆

سوال: کسی مسلمان کے انتقال پر جو عزیز واقارب یا محلے والے جمع ہوتے ہیں انہیں میت کے گھر سے کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ شریعتِ مطہرہ کی رو سے اسکا کیا حکم ہے؟

جواب: اس موضوع پر مجددِ دین و ملت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ میں نہایت جامع گفتگو فرمائی ہے اسکا خلاصہ اپنے الفاظ میں عرض کرتا ہوں۔ کسی مسلمان کے انتقال پر اسکے یہاں جو عزیز واقارب اور محلے والے جمع ہوتے ہیں انکے لیے میت کے اہل خانہ کا کھانے پینے کا انتظام کرنا جائز نہیں۔

اس کی چار وجوہات ہیں:

اول: دعوتِ خوشی کے موقع پر ہوتی ہے نہ کہ غم کے موقع پر۔ نیز اہل میت کو غم و الم کے باعث کھانے کا اہتمام کرنا دشوار ہوتا ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان اہل میت کے یہاں ٹھہرے رہنے اور دعوتِ طعام کو میت کے لیے نوحہ کی مثل سمجھتے تھے جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں موجود ہیں۔

دوم: اگر ورثاء میں سے کوئی نابالغ ہے تو اسکا مال خرچ کرنے کا اختیار کسی کو نہیں اور اگر کوئی وارث موجود نہیں تو اسکے مال میں بغیر اسکی اجازت تصرف کرنا جائز نہیں لہذا کوئی بالغ اپنے ذاتی مال سے خرچ کرے یا ترکہ سے کرے جبکہ سب ورثاء بالغ موجود و راضی ہوں۔

سوم: وہاں عزیزوں کی عورتیں جمع ہوتی ہیں جو اکثر ناجائز کام کرتی ہیں مثلاً چلا کر رونا پیٹنا، بناوٹ سے منہ ڈھانکنا وغیرہ یہ سب نوحہ کرنا ہے جو کہ حرام ہے۔ ایسے مجمع کے لیے میت کے عزیزوں کا بھی کھانا بھیجنا جائز نہیں۔

چہارم: اکثر لوگوں کو اس بری رسم کے باعث جاہلوں کے طعنوں سے بچنے کے لیے اپنی طاقت سے زیادہ اہتمام کرنا پڑتا ہے اور وہ اپنے غم کو بھول کر اس آفت میں مبتلا ہو جاتے ہیں بعض اسکے لیے قرض لیتے ہیں ایسا تکلف تو شریعت کو مباح کام کے لیے بھی پسند نہیں چہ جائیکہ ایک ممنوع رسم کے لیے ایسا کیا جائے۔

اللہ عزوجل مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ ایسی بری رسوم کو جن سے انکے دین و دنیا دونوں کا نقصان ہے فوراً چھوڑ دیں اور بیہودہ طعنوں کا ہرگز خیال نہ کریں۔

صرف ایک دن یعنی پہلے روز ہی عزیزوں ہمسایوں کو مسنون ہے کہ اہل میت کے لیے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں جسے وہ دو وقت کھا سکیں اور بہ اصرار انہیں کھلائیں مگر یہ کھانا صرف اہل میت ہی کے لیے ہونا سنت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۱۳۸ تا ۱۴۰، ملخصاً)

☆ ایصالِ ثواب کیوں ضروری ہے؟ ☆

سوال: کیا مردوں کو ایصالِ ثواب سے نفع پہنچتا ہے؟ کسی کے انتقال پر تیجہ، دسواں اور چہلم کیا جاتا ہے نیز اکثر جمعرات کو فاتحہ دلائی جاتی ہے اسکی کیا اصل ہے؟ یہ بھی فرمائیے کہ کیا دوسروں کو ثواب بخش دینے سے ہمیں کوئی ثواب نہیں ملتا؟

جواب: ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ”عرض کرتے ہیں، اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔“ (الحشر: ۱۰، کنز الایمان)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان اپنی مغفرت کے ساتھ اپنے مرحوم دینی بھائیوں کی مغفرت کی بھی دعا مانگتے ہیں۔ ایصالِ ثواب دعائے مغفرت ہی کی ایک صورت ہے جو متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ نبویؐ میں سوال کیا، یا رسول اللہؐ! میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا، اگر میں انکے لیے صدقہ خیرات کروں تو کیا انہیں ثواب پہنچے گا؟ ارشاد فرمایا، ہاں انہیں ثواب ضرور پہنچے گا۔ (بخاری، مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی، یا رسول اللہؐ! ہم اپنے مردوں کے لیے دعائیں، صدقات و خیرات اور حج کرتے ہیں کیا یہ چیزیں انہیں پہنچتی ہیں؟ فرمایا، ہاں ضرور پہنچتی ہیں اور وہ ان سے ایسے خوش ہوتے ہیں جیسے تم ایک دوسرے کے ہدیے سے خوش ہوتے ہو۔ (مسند احمد)

اہلسنت کے نزدیک مالی اور بدنی دونوں قسم کی عبادات کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچایا جاسکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں سے فرمایا، تم میں سے کون اس بات کی ذمہ داری لیتا ہے کہ وہ مسجدِ عشار میں میرے لیے دو چار رکعات نفل پڑھ دے اور کہے کہ یہ نماز ابو ہریرہ کے (ایصالِ ثواب کے) لیے ہے۔ (ابوداؤد)

معلوم ہوا کہ بدنی عبادت یعنی نماز کا ثواب بھی کسی دوسرے کو بخشا جائز ہے خواہ زندہ کو ہی ایصالِ ثواب کیا جائے۔ ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ایصالِ ثواب سے مردوں کو نفع ہوتا ہے۔

رسول معظم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، جب انسان مرجاتا ہے تو اسکے اعمال کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے جنکا ثواب اسے ملتا رہتا ہے۔ اول صدقہء جاریہ، دوم وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے، سوم وہ نیک اولاد جو اسکے لیے دعا کرتی رہے۔ (مسلم)

یہ حدیث پاک بھی زندوں کے اعمال سے میت کو نفع پہنچنے کی بہترین دلیل ہے۔ آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، دین خیر خواہی ہے، اللہ تعالیٰ، اسکے رسول ﷺ اور اسکی

کتاب کی، ائمہ دین کی اور عام مسلمانوں کی۔ (مسلم) مسلمانوں کی خیر خواہی اور بھلائی چاہنے کی انکے وصال کے بعد یہی صورت ہے کہ انکے لیے دعائے مغفرت کی جائے اور ایصالِ ثواب کے ذریعے انہیں فائدہ پہنچایا جائے۔

تیجہ، دسواں، چالیسواں اور برسی وغیرہ سب ایصالِ ثواب ہی کی مختلف صورتیں ہیں، ان میں میت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم کی تلاوت، کلمہ طیبہ، درود شریف، استغفار اور ذکر و اذکار کے علاوہ صدقہ خیرات کیا جاتا ہے جو سب نیک کام ہیں اور سنتِ مطہرہ سے ثابت ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ”قبر میں میت ڈوبتے ہوئے فریادی کی طرح ہوتی ہے کہ اپنے ماں باپ بھائی یا دوست کی دعائے خیر پہنچنے کی منتظر رہتی ہے پھر جب اسے دعا پہنچ جاتی ہے تو اسے یہ دعا دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعا سے قبر والوں کو ثواب کے پہاڑ دیتا ہے، یقیناً مردوں کے لیے زندوں کا تحفہ دعائے مغفرت ہے۔“ (مشکوٰۃ)

جب کوئی مسلمان وفات پاتا ہے تو اسے زندوں کی طرف سے شروع کے دنوں میں ایصالِ ثواب کی زیادہ حاجت ہوتی ہے اسی لیے اسکی وفات سے ہی ایصالِ ثواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میت کے انتقال کے بعد سات روز تک صدقہ کیا جائے۔ پھر فرماتے ہیں، بعض روایات میں آیا ہے کہ جمعہ کی رات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اسکی طرف سے اسکے گھر والے صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔ (اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور) ہر جمعرات کو فاتحہ کرنے کی اصل یہی ہے۔

انوارِ ساطعہ میں ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایصالِ ثواب کے لیے تیسرے، ساتویں اور چالیسویں دن اور سال بعد بھی صدقہ دیا۔ علماء کرام نے اس سے سوئم، چہلم اور برسی کی اصل بیان کی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے سوئم کے متعلق شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں صفحہ ۸۰ پر لکھتے ہیں،

جب کوئی مسلمان وفات پاتا ہے تو اسے زندوں کی طرف سے شروع کے دنوں میں ایصالِ ثواب کی زیادہ حاجت ہوتی ہے اسی لیے اسکی وفات سے ہی ایصالِ ثواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میت کے انتقال کے بعد سات روز تک صدقہ کیا جائے۔ پھر فرماتے ہیں، بعض روایات میں آیا ہے کہ جمعہ کی رات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اسکی طرف سے اسکے گھر والے صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔

(اشعة المعات باب زيارة القور)

ہر جمعرات کو فاتحہ کرنے کی اصل یہی ہے۔

انوارِ ساطعہ میں ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایصالِ ثواب کے لیے تیسرے، ساتویں اور چالیسویں دن اور سال بعد بھی صدقہ دیا۔ علماء کرام نے اس سے سوئم، چہلم اور برسی کی اصل بیان کی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے سوئم کے متعلق شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں صفحہ ۸۰ پر لکھتے ہیں،

”تیسرے دن لوگوں کا اس قدر جھوم تھا کہ شمار نہیں ہو سکتا۔ اکیاسی (۸۱) قرآن کریم تلاوت کیے گئے اور زیادہ بھی ہوئے ہونگے، کلمہ طیبہ کا تو اندازہ ہی نہیں۔“

معلوم ہوا کہ تیجہ دسواں اور چالیسواں وغیرہ مسلمانوں میں صدیوں سے رائج ہیں۔ ان دنوں کی تخصیص کو کوئی شرعی نہیں سمجھتا اور نہ ہی کوئی یہ کہتا ہے کہ بس اسی دن اور تاریخ کو ایصالِ ثواب کیا جائے تو پہنچے گا ورنہ نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی تلاوت اور خیرات وغیرہ کا سلسلہ تو میت کے انتقال کے وقت سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔

ہیں۔ دن کا تعین کرنے میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ مقررہ تاریخ اور وقت پر لوگوں کو جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے اس طرح سب اجتماعی دعا میں شریک ہو جاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ رحمۃ القوی فرماتے ہیں،

”تیسرے دن کی خصوصیت بھی شرعی اور عرفی مصلحتوں کی بنا پر ہے..... شریعت میں تو ثواب پہنچانا ہے، دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن، جب چاہیں ایصالِ ثواب کر سیں..... البتہ یہ ضروری ہے کہ میت کا کھانا صرف فقراء میں تقسیم کیا جائے، غنی لوگ اس میں سے نہ لیں۔ باقی جو یہود و باتیں لوگوں نے نکالی ہیں مثلاً اس میں شادی کے سے

تکلف کرنا، عمدہ عمدہ فرش بچھانا وغیرہ بیجا باتیں ہیں اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ثواب تیسرے دن ہی پہنچتا ہے یا اس دن زیادہ پہنچے گا دوسرے دنوں میں کم، تو یہ عقیدہ بھی غلط ہے۔ اسی طرح سوئم کے لیے چمنوں کا ہونا ضروری نہیں اور نہ ہی چنے بانٹنے کے سبب کوئی برائی پیدا ہوتی ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ، ملخصاً)

مالی و بدنی عبادات کا ثواب مُردوں کو نہ بچا دینے سے ایصالِ ثواب کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا، یہ نہیں کہ وہی ثواب تقسیم ہو کر سب کو ٹکڑا ٹکڑا ملے۔ (رد المحتار)

بلکہ امید یہ ہے کہ اس ثواب پہنچانے والے کو ان سب کے مجموعہ کے برابر ثواب ملے۔ مثلاً کوئی نیک کام کیا جس کا ثواب دس گنا ہے۔ اس نے اس کا ثواب دس مردوں کو بخش دیا تو ہر ایک کو دس دس ملیں گے اور اس کو ایک سو دس۔ اور اگر ہزار کو پہنچایا تو اسے دس ہزار دس۔

(فتاویٰ رضویہ)

☆ بدعت کی تعریف و اقسام ☆

سوال: بدعت کسے کہتے ہیں؟ اس کی کتنی اقسام ہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب: بدعت کے لغوی معنی ”نئی چیز ایجاد کرنے“ کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں ہر وہ بات جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ اقدس کے بعد پیدا ہو، بدعت ہے۔

صدر الشریعہ علامہ مولانا امجد علی قادری رحمہ اللہ بدعت کی اقسام کے متعلق فرماتے ہیں،

بدعت مذمومہ و قبیحہ (یعنی بری بدعت) وہ ہے جو کسی سنت کے مخالف و مزاحم ہو اور یہ مکروہ یا حرام ہے۔ مطلق بدعت تو مستحب بلکہ سنت بلکہ واجب تک ہوتی ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تراویح کی نسبت فرماتے ہیں، نعمة البدعة هذه (صحیح مسلم) یہ اچھی بدعت ہے حالانکہ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ جس کام کی اصل شرع شریف سے ثابت ہو وہ ہرگز بدعت قبیحہ نہیں ہو سکتا۔

(بہار شریعت حصہ اول ص ۵۱)

ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ”اور راہب بننا، تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی، ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی، ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے نہ نباہا جیسا کہ اسکے نباہنے کا حق تھا، تو انکے ایمان والوں کو ہم نے ان کا ثواب عطا کیا۔“

(الحمدید: ۲۷، کنز الایمان)

اس کی تفسیر میں صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ فرماتے ہیں، ”اس آیت سے معلوم ہوا کہ بدعت یعنی دین میں کسی بات کا نکالنا اگر وہ بات نیک ہو اور اس سے رضائے الہی مقصود ہو تو بہتر ہے، اس پر ثواب ملتا ہے اور اسکو جاری رکھنا چاہیے، ایسی بدعت کو بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ البتہ دین میں بری بات نکالنا بدعت سیئہ کہلاتا ہے وہ ممنوع اور ناجائز ہے۔ بدعت سیئہ حدیث شریف میں وہ بتائی گئی ہے جو خلاف سنت ہو، اسکے نکالنے سے کوئی سنت اٹھ جائے۔

اس سے ہزار ہا مسائل کا فیصلہ ہو جاتا ہے جن میں آج کل لوگ اختلاف کرتے ہیں اور اپنی ہوائے نفسانی سے ایسے امور خیر کو بدعت بتا کر منع کرتے ہیں جن سے دین کی تقویت و تائید ہوتی ہے اور مسلمانوں کو اخروی فوائد پہنچتے ہیں اور وہ طاعات و عبادات میں ذوق و شوق کے ساتھ مشغول رہتے ہیں ایسے امور کو (بری) بدعت بتانا قرآن مجید کی اس آیت کے صریح خلاف ہے۔“ (خزان العرفان)

اپنے دل کی خوشی سے کوئی کام کرنا ”تکبر“ کہلاتا ہے اسے فقہی اصطلاح میں مستحب کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں اس بارے میں ارشاد ہوا، ”جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کچھ نیکی، تو اللہ قدردان ہے سب کچھ جاننے والا۔“ (البقرہ: ۱۵۸) دوسری جگہ فرمایا گیا، ”پھر جو خوشی سے کرے نیکی تو اچھا ہے اسکے واسطے۔“ (البقرہ: ۱۸۳، کنز الایمان)

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مومن اپنی خوشی سے کوئی بھی اچھا کام اختیار کر سکتا ہے خواہ وہ کام نیا ہی کیوں نہ ہو؛ اس پر احادیث صحیحہ بھی گواہ ہیں۔

صحیح بخاری جلد دوم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان سے عرض کی، جنگ یمامہ میں کثیر حفاظ صحابہ شہید ہو گئے، اگر یونہی جنگوں میں حافظ شہید ہوتے رہے تو قرآن کی حفاظت مسئلہ بن جائے گی اسلیے میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کو (کتابی صورت میں) جمع کرنے کا حکم دیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں وہ کام کس طرح کروں جو رسول معظم ﷺ نے نہیں کیا؟ آپ نے عرض کی، اگرچہ یہ کام حضور ﷺ نے نہیں کیا مگر خدا کی قسم یہ کام بہتر ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر (رضی اللہ عنہ) زور دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا اور میں انکی رائے سے متفق ہو گیا۔ پھر آپ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس کام کا حکم دیا تو انہوں نے بھی یہی عرض کی، آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں جو آقا ﷺ نے نہیں کیا؟ اس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، خدا کی قسم یہ کام بھلائی کا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انکا سینہ بھی کھول دیا اور انہوں نے قرآن عظیم جمع کیا۔

اس حدیث کے تحت چودھویں صدی ہجری کے مجدد، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

”جب زید بن ثابت، صدیق اکبر اور صدیق اکبر نے فاروق اعظم (رضی اللہ عنہم) پر اعتراض کیا تو ان حضرات نے یہ جواب نہ دیا کہ نئی بات نکالنے کی اجازت نہ ہونا تو پچھلے زمانہ میں ہوگا، ہم صحابہ ہیں، ہمارا زمانہ خیر القرون سے ہے؛ بلکہ یہی جواب دیا کہ یہ کام اگرچہ حضور اقدس ﷺ نے نہ کیا مگر یہ اپنی ذات میں بھلائی کا کام ہے پس کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے اور اسی پر صحابہ کرام کی رائے متفق ہوئی اور قرآن عظیم باتفاق حضرات صحابہ کرام جمع ہوا۔ (اقامة القیمة ص ۳۹)

بدعت کے بُری ہونے کے لیے دو صحابہ کے بعد ہونا شرط نہیں چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تقدیر کے منکر کو بدعتی قرار دیا اور اسے سلام کرنے سے منع فرما دیا۔

(مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں رقمطراز ہیں،

”سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما چاشت کی نسبت فرماتے ہیں، ”بیشک وہ بدعت ہے اور کیا ہی عمدہ بدعت ہے اور بیشک وہ ان بہتر چیزوں میں سے ہے جو لوگوں نے نئی نکالیں۔“

سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، تم لوگوں نے قیام رمضان نیا نکالا، تو اب جو نکالا ہے تو ہمیشہ کیے جاؤ اور کبھی نہ چھوڑنا۔ دیکھو یہاں تو صحابہ کرام نے ان افعال کو بدعت کہہ کر حسن کہا اور انہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مسجد میں ایک شخص کو تہویب کہتے سن کر اپنے غلام سے فرمایا، ”نکل چل ہمارے ساتھ اس بدعتی کے پاس سے۔“

سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو نماز میں بسم اللہ با آواز بلند پڑھتے سن کر فرمایا، اے میرے بیٹے! یہ نوپیدا بات ہے، بچ نئی باتوں سے۔ یہ فعل بھی اسی زمانے میں واقع ہوئے تھے، انہیں بدعت کہہ کر بدعتِ سیئہ مذمومہ ٹھہرایا، تو معلوم ہوا کہ صحابہ کے نزدیک بھی اپنے زمانے میں ہونے یا نہ ہونے پر (بدعت کا) دارومدار نہ تھا بلکہ وہ نفسِ فعل کو دیکھتے، اگر اس میں کوئی محذور شرعی نہ ہوتا تو اجازت دیتے ورنہ منع فرماتے، اور یہی طریقہ تابعین و تبع تابعین کے زمانہ میں رائج رہا ہے۔“

(اقامۃ القیامۃ ص ۳۸)

صہیب کبریٰ علیہ التحیۃ والثناء کا فرمانِ عالیشان ہے، ”جس نے اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اسکے لیے اسکا ثواب ہے اور اسکے بعد اس پر عمل کرنے والوں کی مثل بھی اسے ثواب ہوگا اور ان بعد والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور جس نے اسلام میں برا طریقہ ایجاد کیا اس پر اسکا گناہ ہے اور اسکے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہوگا جبکہ ان بعد والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔“ (مسلم)

شارح مسلم، امام نووی فرماتے ہیں، ”اس سے معلوم ہوا کہ اچھے امور کا ایجاد کرنا مستحب ہے اور برے امور کا ایجاد کرنا حرام ہے۔“

نئے امور کی ایجاد کے لیے آقا و مولیٰ ﷺ نے چند شرائط بیان فرمائی ہیں جن پر ان نئے کاموں کے اچھے یا برے ہونے کا دارومدار ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے، بہترین کلام اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے اور بدترین امور وہ ہیں جو نئے ایجاد ہوں اور ہر نئی چیز گمراہی ہے۔ (مسلم)

دوسری حدیث میں ارشاد ہوا، جس نے ہمارے دین میں وہ چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں، وہ مردود ہے۔ (بخاری) ایک اور جگہ فرمایا، میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت تم پر لازم ہے، اسکو نہایت مضبوطی سے تھام لو اور نئی نئی باتوں سے بچو کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ وہ نئے عقائد یا اعمال جو قرآن کریم یا سیرتِ مصطفیٰ ﷺ یا سیرتِ خلفائے راشدین کے خلاف ہوں یا جن کی اصل دین میں موجود نہ ہو، وہ سب بدعتِ سیئہ اور گمراہی ہیں۔

امام عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں، بدعت اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جسکی خوبی شرع سے ثابت ہے تو وہ اچھی ہے اور اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی برائی شرع سے ثابت ہے تو وہ بری ہے اور جو دونوں میں سے کسی سے متعلق نہ ہو وہ مباح ہے۔

امام بیہقی امام شافعی (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ نئی باتیں دو قسم کی ہیں ایک وہ کہ قرآن یا احادیث یا آثار یا اجماع کے خلاف ہوں یہ بدعت گمراہی ہیں دوسری وہ جو خیر پر مبنی ہوں اور ان کے خلاف نہ ہوں وہ بری نہیں ہیں۔ (اقامۃ القیامۃ ص ۳۳)

مذکورہ آیات و احادیث مبارکہ اور ائمہ دین کے اقوال سے ثابت ہو گیا کہ جو بدعت قرآن و سنت کے خلاف ہو اسے بدعتِ سیئہ اور جو انکے خلاف نہ ہو اسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔

محدث علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی اقسام کے متعلق فرماتے ہیں، ”بدعت یا تو واجب ہے جیسے کہ علم نحو کا سیکھنا اور اصول فقہ کا جمع کرنا؛ اور یا حرام ہے جیسے کہ جبریہ مذہب؛ اور یا مستحب ہے جیسے کہ مسجدوں کو فخریہ زیارت دینا؛ اور یا جائز ہے جیسے فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور عمدہ عمدہ کھانوں اور شربتوں میں وسعت کرنا۔“ (مرقاۃ)

اگر بدعاتِ حسنہ اور سیئہ کا فرق نہ کیا جائے تو موجودہ دور کے بیشتر کام جو ثواب سمجھ کر کیے جاتے ہیں معاذ اللہ حرام ہو جائیں گے حالانکہ محفل میلاد اور گیارہویں شریف کو بدعت و حرام کہنے والے خود ان کاموں کو ثواب کا باعث سمجھتے ہیں۔

مثلاً قرآن کریم خطِ نسخ میں لکھنا، اسکے الفاظ پر اعراب ڈالنا، تیس پاروں میں تقسیم کرنا، اسکے مختلف زبانوں میں ترجمے کرنا، گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعے حج کا سفر کرنا اور اسکے لیے پاسپورٹ ویزا جاری کرنا، تفسیر وحدیث اور فقہ کی کتابیں، دارالعلوم کا نصاب، نماز یا دینی علوم پڑھانے کی تحفہ لینا، طلبہ کا امتحان لینا، تقسیم اسناد کا جلسہ، مساجد میں محراب و گنبد اور مینار بنانا، ان میں ماربل کے فرش اور قالین بچھانا، بجلی کے پنکھے، لائٹیں وغیرہ لگانا، ایئر کنڈیشنر اور گیزر لگانا وغیرہ بیٹھانے کا کام ایسے ہیں جنہیں کارِ ثواب سمجھ کر منکرین نہ صرف خود کرتے ہیں بلکہ ان بدعتوں کے لیے چندے کی اپیلیں بھی کرتے ہیں۔

یہ امر باعثِ افسوس ہے کہ فی الواقع جو بری بدعات مسلمانوں میں رائج ہو گئی ہیں مثلاً داڑھی منڈانا، عورتوں کا بے پردہ بن سنور کر ٹکنا، مرد و عورت کا باہم مشابہت کرنا، گانے بجانے کی مجلسیں، وی سی آر، ڈش اینٹینا، تصویر سازی، کھڑے ہو کر کھانا پینا، یہود و نصاریٰ کی مشابہت اختیار کرنا وغیرہ ان بدعات کی مخالفت کرنے کی بجائے مخالفین ان نیک و مستحب کاموں کو کیوں بدعتِ سیئہ و حرام قرار دیتے ہیں جن سے دلوں میں آقائے دو جہاں ﷺ کی محبت و عظمت کی روشنیاں پھیلتی ہیں اور محبوبانِ خدا سے عقیدت کا تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

باری تعالیٰ ایسے گمراہوں کو عقل سلیم اور ہدایت عطا فرمائے آمین۔

☆ عید میلاد النبی ﷺ ☆

سوال: بعض لوگ عید میلاد النبی ﷺ منانے اور محافل میلاد منعقد کرنے کو بدعت و حرام کہتے ہیں۔ قرآن و سنت اور ائمہ دین کے اقوال کی روشنی میں عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت بیان فرمائیے۔

جواب: بارہ ربیع الاول کو آقائے دو جہاں ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی میں پورے عالم اسلام میں محافل میلاد منعقد کی جاتی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا میلاد منانا جائز و مستحب ہے اور اس کی اصل قرآن و سنت سے ثابت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ”اور انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ“۔ (ابراہیم: ۵)

امام المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ایام اللہ سے مراد وہ دن ہیں جن میں رب تعالیٰ کی کسی نعمت کا نزول ہوا ہو۔

”ان ایام میں سب سے بڑی نعمت کے دن سید عالم ﷺ کی ولادت و معراج کے دن ہیں، ان کی یاد قائم کرنا بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے“۔ (تفسیر خزائن العرفان) بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی سب سے عظیم نعمت نبی کریم ﷺ کی ذات مقدسہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ”یہک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا“۔ (ال عمران: ۱۶۴)

آقا و مولیٰ ﷺ تو وہ عظیم نعمت ہیں کہ جن کے ملنے پر رب تعالیٰ نے خوشیاں منانے کا حکم بھی دیا ہے۔ ارشاد ہوا،

”(اے حبیب!) تم فرماؤ (یہ) اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت (سے ہے) اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں، وہ (خوشی منانا) انکے سب دھن دولت سے بہتر ہے“۔ (یونس: ۵۸)

ایک اور مقام پر نعمت کا چرچا کرنے کا حکم بھی ارشاد فرمایا، ”اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو“۔ (الضحیٰ: ۱۱، کنز الایمان)

خلاصہ یہ ہے کہ عید میلاد منانا لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دن یاد دلانا بھی ہے، اسکی نعمت عظمیٰ کا چرچا کرنا بھی اور اس نعمت کے ملنے کی خوشی منانا بھی۔ اگر ایمان کی نظر سے قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ذکر میلاد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کی سنت بھی ہے اور رسول کریم ﷺ کی سنت بھی۔

سورہ آل عمران کی آیت ۸۱ ملاحظہ کیجیے۔ رب ذوالجلال نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کی محفل میں اپنے حبیب لبیب ﷺ کی آمد اور فضائل کا ذکر فرمایا۔ گویا یہ سب سے پہلی محفل میلاد تھی جسے اللہ تعالیٰ نے منعقد فرمایا اور اس محفل کے شرکاء صرف انبیاء کرام علیہم السلام تھے۔ حضور ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری اور فضائل کا ذکر قرآن کریم کی متعدد آیات کریمہ میں موجود ہے۔

رسول معظم نور مجسم ﷺ کے مبارک زمانہ کی چند محافل میلاد کا ذکر ملاحظہ فرمائیے۔

آقا و مولیٰ ﷺ نے خود مسجد نبوی میں منبر شریف پر اپنا ذکر ولادت فرمایا۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۰۱) آپ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے منبر پر چادر بچھائی اور انہوں نے منبر پر بیٹھ کر نعت شریف پڑھی، پھر آپ نے انکے لیے دعا فرمائی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۵) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک سے واپسی پر بارگاہ رسالت میں ذکر میلاد پر اپنی اشعار پیش کیے۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۲۹)

اسی طرح حضرات کعب بن زہیر، سواد بن قارب، عبداللہ بن رواحہ، کعب بن مالک و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نعتیں کتب احادیث و سیرت میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ بعض لوگ یہ وسوسہ اندازی کرتے ہیں کہ اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں لہذا تیسری عید حرام ہے (معاذ اللہ)۔ اس نظریہ کے باطل ہونے کے متعلق قرآن کریم سے دلیل لیجیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے،

”عیسیٰ بن مریم نے عرض کی، اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک (کھانے کا) خوان اتار کہ وہ ہمارے لیے عید ہو ہمارے اگلوں پچھلوں کی“۔ (المائدہ: ۱۱۳، کنز الایمان)

صدر الافاضل فرماتے ہیں، ”یعنی ہم اسکے نزول کے دن کو عید بنائیں، اسکی تعظیم کریں، خوشیاں منائیں، تیری عبادت کریں، شکر بجالائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو اس دن کو عید بنانا اور خوشیاں منانا، عبادتیں کرنا اور شکر بجالانا صالحین کا طریقہ ہے اور کچھ شک نہیں کہ سید عالم ﷺ کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے اس لیے حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکر الہی بجالانا اور اظہار فرح اور سرور کرنا مستحسن و محمود اور اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے“۔ (تفسیر خزائن العرفان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ تلاوت فرمائی تو ایک یہودی نے کہا، اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے۔ اس پر آپ نے فرمایا، یہ آیت جس دن نازل ہوئی اس دن دو عیدیں تھیں: عید جمعہ اور عید عرفہ۔ (ترمذی)

پس قرآن وحدیث سے ثابت ہو گیا کہ جس دن کوئی خاص نعمت نازل ہو اس دن عید منانا جائز بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقرب نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سنت ہے۔ چونکہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ حضور ﷺ ہی کے صدقے میں ملی ہیں اس لیے آپ کا یوم میلاد بدرجہ اولیٰ عید قرار پایا۔

عید میلاد پہ ہوں قربان ہماری عیدیں

کہ اسی عید کا صدقہ ہیں یہ ساری عیدیں

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ اکابر ائمہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ شب میلاد مصطفیٰ ﷺ شب قدر سے افضل ہے؛ کیونکہ شب قدر میں قرآن نازل ہوا اس لیے وہ ہزار مہینوں سے بہتر قرار پائی تو جس شب میں صاحب قرآن آیا وہ کیونکر شب قدر سے افضل نہ ہوگی؟ (ماثبت بالسنۃ)

جس سہانی گھڑی چکا طیبہ کا چاند

اُس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

صحیح بخاری جلد دوم میں ہے کہ ابولہب کے مرنے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے خواب میں بہت بری حالت میں دیکھا اور پوچھا، مرنے کے بعد تیرا کیا حال رہا؟ ابولہب نے کہا، تم سے جدا ہو کر میں نے کوئی راحت نہیں پائی سوائے اسکے کہ میں تھوڑا سا سیراب کیا جاتا ہوں کیونکہ میں نے محمد (ﷺ) کی پیدائش کی خوشی میں اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔

امام ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

جب حضور ﷺ کے میلاد کی خوشی کی وجہ سے ابولہب جیسے کافر کا یہ حال ہے کہ اسکے عذاب میں کمی کر دی جاتی ہے حالانکہ اسکی مذمت میں قرآن نازل ہوا تو حضور ﷺ کے مومن امتی کا کیا حال ہوگا جو میلاد کی خوشی میں حضور کی محبت کے سبب مال خرچ کرتا ہے۔ قسم ہے میری عمر کی، اسکی جزا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اپنے فضل و کرم سے جنت نعیم میں داخل فرمادے۔ (مؤاہب الدقیقہ ج ۱ ص ۲۷، مطبوعہ مصر)

اب ہم یہ جائزہ لیتے ہیں کہ خالق کائنات نے اپنے محبوب رسول ﷺ کا جشن عید میلاد کیسے منایا؟

سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۷۸ اور خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۴۷ پر یہ روایت موجود ہے کہ ”جس سال نور مصطفیٰ ﷺ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو ودیعت ہوا وہ سال فتح و نصرت، تروتازگی اور خوشحالی کا سال کہلایا۔ اہل قریش اس سے قبل معاشی بد حالی اور قحط سالی میں مبتلا تھے حضور ﷺ کی ولادت کی برکت سے اس سال رب کریم نے ویران زمین کو شادابی اور ہریالی عطا فرمائی، سوکھے درخت پھلوں سے لد گئے اور اہل قریش خوشحال ہو گئے۔“ اہلسنت اسی مناسبت سے میلاد مصطفیٰ ﷺ کی خوشی میں اپنی استطاعت کے مطابق کھانے، شیرینی اور پھل وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔

عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر شمع رسالت کے پروانے چراغاں بھی کرتے ہیں، اسکی اصل مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ ہیں:

آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، ”میری والدہ ماجدہ نے میری پیدائش کے وقت دیکھا کہ اُن سے ایسا نور نکلا جس سے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے۔“ (مشکوٰۃ) حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ”جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تو ساتھ ہی ایسا نور نکلا جس سے مشرق سے مغرب تک ساری کائنات روشن ہو گئی۔“ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰۲، سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۹۱)

ہم تو عید میلاد کی خوشی میں اپنے گھروں اور مساجد پر چراغاں کرتے ہیں، خالق کائنات نے نہ صرف ساری کائنات میں چراغاں کیا بلکہ آسمان کے ستاروں کو فانوس اور قمقمے بنا کر زمین کے قریب کر دیا۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ فرماتی ہیں، ”جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی میں خانہ کعبہ کے پاس تھی، میں نے دیکھا کہ خانہ کعبہ نور سے روشن ہو گیا اور ستارے زمین کے اتنے قریب آ گئے کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ کہیں وہ مجھ پر گر نہ پڑیں۔“ (سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۹۲، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۴۰، زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۱۱۶)

سیدنا آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ”میں نے تین جھنڈے بھی دیکھے، ایک مشرق میں گاڑا گیا تھا دوسرا مغرب میں اور تیسرا جھنڈا خانہ کعبہ کی چھت پر لہرا رہا تھا۔“ (سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۱۰۹)

یہ حدیث ”الوفایا حوال المصطفیٰ ﷺ“ میں محدث ابن جوزی نے بھی روایت کی ہے۔ اس سے میلاد النبی ﷺ کے موقع پر جھنڈے لگانے کی اصل بھی ثابت ہوئی۔

عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر جلوس بھی نکالا جاتا ہے اور نعرہ رسالت بلند کیے جاتے ہیں۔ اس کی اصل یہ حدیث پاک ہے کہ:

جب آقا و مولیٰ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اہلیان مدینہ نے جلوس کی صورت میں استقبال کیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام گلیوں میں پھیل گئے؛ یہ سب با آواز بلند کہہ رہے تھے، یا محمد یا رسول اللہ، یا محمد یا رسول اللہ۔ (ﷺ) (صحیح مسلم جلد دوم باب الحجۃ)

جشنِ عیدِ میلادِ النبی ﷺ کی شرعی حیثیت بیان کرنے کے بعد اب چند تاریخی حوالہ جات پیش خدمت ہیں جن سے ثابت ہو جائے گا کہ محافلِ میلاد کا سلسلہ عالم اسلام میں ہمیشہ سے جاری ہے۔

محدث ابن جوزی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں،

” مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، یمن، مصر، شام اور تمام عالم اسلام کے لوگ مشرق سے مغرب تک ہمیشہ سے حضور اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے موقع پر محافلِ میلاد کا انعقاد کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہتمام آپ ﷺ کی ولادت کے تذکرے کا کیا جاتا ہے اور مسلمان ان محافل کے ذریعے اجرِ عظیم اور بڑی روحانی کامیابی پاتے ہیں۔“ (المیلاد النبوی ص ۵۸)

امام ابن حجر شافعی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں، ”محافلِ میلاد واذکارِ اکثر خیر ہی پر مشتمل ہوتی ہیں کیونکہ ان میں صدقات، ذکرِ الہی اور بارگاہِ نبوی میں درود و سلام پیش کیا جاتا ہے۔“ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۱۲۹)

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں، ”میرے نزدیک میلاد کے لیے اجتماعِ تلاوتِ قرآن، حیاتِ طیبہ کے واقعات اور میلاد کے وقت ظاہر ہونے والی علامات کا تذکرہ ان بدعاتِ حسنہ میں سے ہے جن پر ثواب ملتا ہے کیونکہ اسمیں حضور ﷺ کی تعظیم اور آپ کی ولادت پر خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔“

(حسن المقصد فی عمل المولد فی الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۱۸۹)

امام قسطلانی شارح بخاری رحمہ اللہ (م ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں،

”ربیع الاول میں تمام اہل اسلام ہمیشہ سے میلاد کی خوشی میں محافل منعقد کرتے رہے ہیں۔ محفلِ میلاد کی یہ برکت مجرب ہے کہ اسکی وجہ سے سارا سال امن سے گزرتا ہے اور ہر مراد جلد پوری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمتیں نازل فرمائے جس نے ماہِ میلاد کی ہر رات کو عید بنا کر ایسے شخص پر شدت کی جس کے دل میں مرض و عناد ہے۔“ (مواہب الدنیہ ج ۱ ص ۲۷)

شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی رحمہ اللہ (والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ میں ہر سال میلاد شریف کے دنوں میں کھانا پکوا کر لوگوں کو کھلایا کرتا تھا۔ ایک سال قحط کی وجہ سے بھنے ہوئے چنوں کے سوا کچھ میسر نہ ہوا، میں نے وہی چنے تقسیم کر دیے۔ رات کو خواب میں آقا و مولیٰ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا تو دیکھا کہ وہی بھنے ہوئے چنے سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ بے حد خوش اور مسرور ہیں۔ (الدر الثمین ص ۸)

ان دلائل و براہین سے ثابت ہو گیا کہ میلاد النبی ﷺ کی محافل منعقد کرنے اور میلاد کا جشن منانے کا سلسلہ امت مسلمہ میں صدیوں سے جاری ہے اور اسے بدعت و حرام کہنے والے دراصل خود بدعتی و گمراہ ہیں۔

☆ کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنا ☆

سوال: بد مذہب و گمراہ لوگ کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنے کو بھی بدعتِ سیئہ و حرام بتاتے ہیں۔ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمادیجیے۔

جواب: ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ”یشک اللہ اور اسکے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے پر، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجو“۔ (الاحزاب: ۵۶) اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے، حبیبِ کبریا ﷺ پر درود بھیج رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو بیٹھنے یا کھڑے ہونے سے پاک ہے کیونکہ یہ مخلوق کی صفات ہیں البتہ بعض فرشتے سجدے کی حالت میں ہیں اور بعض رکوع کی حالت میں، بعض قعود کی حالت میں ہیں اور بعض فرشتے وہ ہیں جو صفیں بنا کر کھڑے ہیں۔ (سورۃ الصافات: ۱) اور سب فرشتے درود بھیج رہے ہیں غیب بتانے والے آقا ﷺ پر۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لے کر آج تک تمام مسلمان مولجہ اقدس میں کھڑے ہو کر ہی درود و سلام پیش کرتے آئے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر درود و سلام پیش کرنا بعض ملائکہ کی سنت بھی ہے نیز صحابہ کرام اور تمام زائرینِ بارگاہِ نبوی کا طریقہ بھی یہی ہے۔

اس آیت مبارکہ میں کسی خاص وقت یا کسی مخصوص حالت کا ذکر نہ فرمایا گیا بلکہ مطلق حکم دیا گیا تا کہ درود و سلام پڑھنا ہر وقت اور ہر حالت میں جائز قرار پائے ماسوائے اسکے کہ بعض اوقات و مواقع کی ممانعت کا شریعت حکم صادر کرے۔ پس شرعاً ممنوع مواقع کے علاوہ جس وقت اور جس حالت میں درود و سلام پڑھا جائے مذکورہ حکمِ الہی کی تعمیل ہوتی ہے۔

مجددِ دین و ملت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کسی بات کو شرع نے پسندیدہ کہا ہے تو جس جگہ، جس وقت اور جس طرح وہ بات واقع ہوگی ہمیشہ پسندیدہ رہے گی جب تک کہ کسی خاص صورت کی ممانعت شریعت سے نہ آجائے۔ مثلاً ذکرِ الہی کی خوبی اور اچھائی قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو جب کہیں کسی طور خدا کا ذکر کیا جائے گا بہتر ہی ہوگا، ہر ہر حالت کا ثبوت شرع سے ضروری نہیں مگر بیت الخلاء میں بیٹھ کر زبان سے ذکرِ الہی کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس خاص صورت کی برائی شرع سے ثابت ہے۔ غرض یہ کہ جس مطلق بات کی خوبی معلوم ہو اسکی خاص صورتوں کی جدا جدا خوبی ثابت کرنا ضروری نہیں کیونکہ وہ تمام صورتیں اسی مطلق بات کی

ہیں جس کی خوبی ثابت ہو چکی، البتہ کسی خاص صورت کو ناجائز و براہمتانے کے لیے دلیل لانی ہوگی۔

”سب چیزوں کی اصل جائز و مباح ہے“ اس فقہی قانون کے متعلق اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں، جس چیز کی ممانعت شریعت سے ثابت ہے اور اسکی برائی پر شرعی دلیل موجود ہے وہی منع اور ناجائز ہے باقی سب چیزیں جائز و مباح ہیں۔ تو جو شخص کسی فعل کو ناجائز یا حرام یا مکروہ کہے اس پر واجب ہے کہ اپنے دعوے پر دلیل لائے۔ اسے جائز و مباح کہنے والوں کو ہرگز دلیل کی حاجت نہیں کیونکہ ممانعت پر کوئی شرعی دلیل نہ ہونا یہی جواز کے لیے کافی ہے۔

آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام فرما دیا اور جس کے بارے میں خاموشی فرمائی وہ معاف ہے یعنی اسکے فعل پر کچھ مؤاخذہ نہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ، مستدرک للحاکم)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سب چیزوں کی اصل مباح ہونا ہے۔ پھر مزید دلائل دے کر فرماتے ہیں، پس مجلس میلاد و قیام (درود و سلام کے لیے کھڑے ہونا) وغیرہ ممتاز عدا مور کے جواز پر ہمیں کوئی دلیل قائم کرنے کی حاجت نہیں۔ شرع سے ممانعت ثابت نہ ہونا ہی ہمارے لیے دلیل ہے، ہاں تم جو ناجائز و ممنوع کہتے ہو، تم ثبوت دو کہ خدا و رسول نے ان چیزوں کو کہاں ناجائز فرمایا ہے؟؟؟ اگر ثبوت نہ دے سکو اور انشاء اللہ تعالیٰ ہرگز نہ دے سکو گے تو اقرار کرو کہ تم نے شریعتِ مطہرہ پر بہتان لگایا۔ (اقامۃ

القیامۃ، ملخصاً)

دلیل ہے، ہاں تم جو ناجائز و منوع کہتے ہو، تم ثبوت دو کہ خدا و رسول نے ان چیزوں کو کہاں ناجائز فرمایا ہے؟؟؟ اگر ثبوت نہ دے سکو اور انشاء اللہ تعالیٰ ہرگز نہ دے سکو گے تو اقرار کرو کہ تم نے شریعتِ مطہرہ پر بہتان لگایا۔ (اقامۃ القیامۃ، ملخصاً)

ارشادِ ربانی ہے، ”جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی جھوٹے ہیں“۔ (النحل: ۱۰۵)

اب قرآن مجید و احادیثِ کریمہ سے مزید دلائل ملاحظہ کیجیے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ”رسول کی تعظیم و توقیر کرو“۔ (الفتح: ۹)

تعظیم کی ایک صورت قیام یعنی کھڑے ہونا ہے۔

صحیح بخاری جلد دوم میں ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے صحابہ کرام کو کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ مشکوٰۃ جلد دوم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مسجد نبوی سے گھر مبارک جانے کے لیے اٹھتے تو سب صحابہ کرام تعظیم و تکریم کے طور پر کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک آپ اپنے حجرہ اقدس میں داخل نہ ہو جاتے۔ معلوم ہوا کہ قیام تعظیمی سنت سے ثابت ہے۔

ایک اور آیت کریمہ میں فرمایا گیا،

”اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو، اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور انکے جن کو علم دیا گیا، درجے بلند فرمائے گا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے“۔ (المجادلہ: ۱۱، کنز الایمان)

صدرُ الافاضل فرماتے ہیں، ”ذکرِ رسول ﷺ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا اسی میں داخل ہے“۔ (تفسیر خزائن العرفان)

اہلسنت اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہِ پناہ میں محبت و تعظیم کے اظہار کے طور پر کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھتے ہیں۔ اسکی ایک وجہ یہ بیان کی جا چکی کہ یہ ملائکہ و صحابہ کی سنت سے ثابت ہے۔ اسکی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ ائمہ دین و صالحین کی بھی سنت ہے۔

علامہ علی بن برہان الدین حلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نور مجسم ﷺ کے ذکر کے وقت قیام کرنا جلیل القدر محدث امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۶ھ) سے ثابت ہے اور اس قیام پر انکے ہم عصر مشائخ اسلام نے انکی پیروی کی۔

امام سبکی کے پاس جید علماء و مشائخ کا عظیم اجتماع تھا، اس محفل میں کسی نے امام صرصری کے نعتیہ اشعار پڑھے جنکا ترجمہ یہ ہے، ”اگر بہترین کاتب چاندی کی تختی پر سونے کے پانی سے حضور اکرم ﷺ کی تعریف لکھے پھر بھی کم ہے، بیشک عزت و شرف والے لوگ آقا و مولیٰ ﷺ کا ذکر جمیل سن کر صف بستہ قیام کرتے ہیں یا گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جاتے ہیں“۔

یہ اشعار سن کر امام سبکی اور تمام علماء و مشائخ کھڑے ہو گئے، اسوقت بہت سُرور اور سکون حاصل ہوا۔

(سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۸۰، طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۸)

امام المحمد شین شخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۰۵۶ھ) فرماتے ہیں،

”اے اللہ! میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جسے تیری بارگاہ میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں، میرے تمام اعمال میں فسادِ نیت کا خدشہ رہتا ہے البتہ مجھ فقیر فقیر کا ایک عمل صرف تیری ذات پاک کی عنایت کی وجہ سے نہایت شاندار ہے اور وہ یہ ہے کہ میں محفلِ میلاد میں کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت عاجزی اور محبت و خلوص سے تیرے حبیب ﷺ پر درود بھیجتا ہوں۔ اے اللہ! وہ کون سا مقام ہے جہاں میلادِ مبارکہ سے زیادہ تیری برکت نازل ہوتی ہے اسلیے اے ارحم الراحمین! مجھے کامل یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی ضائع نہ جائے گا بلکہ تیری بارگاہ میں یقیناً قبول ہوگا؛ جو کوئی درود و سلام پڑھے اور اسکے وسیلے سے دعا کرے وہ کبھی مسترد نہیں ہو سکتی“۔ (اخبار الاخیار ص ۶۲۳)

اب آخر میں قیام و سلام کو بدعت کہنے والے اپنے اکابرین کے پیرومرشد حاجی امداد اللہ مہاجر کی صاحب کفران بھی سن لیں۔ وہ فرماتے ہیں، ”مشرّب فقیر کا یہ ہے کہ محفلِ میلاد میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں“۔ (فیصلہ مفت مسئلہ ص ۵)

انہی حاجی صاحب کے نزدیک کسی بھی جگہ محفلِ میلاد میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی تشریف آوری کا خیال کرنے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ آقا و مولیٰ ﷺ کا کہیں بھی قدم رنجہ فرمانا کوئی ناممکن بات نہیں۔ آپ فرماتے ہیں، ”اگر احتمالِ تشریف آوری کیا جائے مضائقہ نہیں کیونکہ عالمِ خلق مقید بزمان و مکان ہے لیکن عالمِ اُمردونوں سے پاک ہے پس قدم رنجہ فرمانا ذاتِ بابرکات کا بعید نہیں“۔ (شائم امدادیہ ص ۹۳)

بعض کم فہم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ”کیا تم صحابہ و تابعین کرام سے محبت و تعظیم میں زیادہ ہو کہ جو کام انہوں نے نہیں کیا، تم وہ کرتے ہو لہذا یہ بدعت و حرام ہے“۔

یہ اعتراض نہایت لغو ہے کیونکہ کئی امور ایسے ہیں جنہیں صحابہ کرام نے یا تابعین نے اختیار کیا، اس سے قبل وہ نیک کام کسی نے نہ کیے تھے، تو کیا ان کاموں کو بدعت و حرام کہا جائے گا؟؟؟

امام قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ کتاب الشفا میں فرماتے ہیں، امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے اور فرماتے، مجھے شرم آتی ہے کہ جس مقدس

سرزمین میں آقائے دو جہاں ﷺ آرام فرما ہوں، میں اسے جانور کے سم سے روندوں۔ آپ بتائیے کیا صحابہ کرام مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے تھے؟

امام مالک کا معمول تھا کہ فقہ کے مسائل تو کسی اہتمام کے بغیر سکھا دیتے لیکن علم حدیث سکھانے کے لیے غسل فرماتے، خوشبو لگاتے، نیا لباس پہنتے، عمامہ باندھتے، انکے لیے دولہا کے تخت کی طرح تخت بچھایا جاتا، اسے خوشبوؤں سے معطر کیا جاتا، پھر آپ اس پر بیٹھ کر حدیث پاک بیان کرتے۔ پوچھنے پر آپ نے فرمایا، میں پسند کرتا ہوں کہ حدیث رسول ﷺ کی تعظیم کروں۔ اور میں حدیث بیان نہیں کرتا جب تک وضو کر کے خوب سکون و وقار کے ساتھ نہ بیٹھ جاؤں۔ فرمائیے! امام مالک جو تبع تابعی ہیں ان سے قبل کوئی ایسی مثال پیش کی جاسکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

مذکورہ اعتراض کے جواب میں اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں، یہ اعتراض اگر قابل تسلیم ہو تو تبع تابعین پر تابعین کے اعتبار سے، اور تابعین پر صحابہ کے لحاظ سے اور صحابہ کرام پر رسول اللہ ﷺ کے اعتبار سے وارد ہوگا۔ مثلاً جو فعل حضور ﷺ، صحابہ اور تابعین نے نہ کیا اور تبع تابعین نے کیا تو تم اسے بدعت نہیں کہتے۔ تمہاری طرح ہم کہیں گے، اس کام میں بھلائی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ، صحابہ اور تابعین ضرور کرتے، کیا تبع تابعین ان سے زیادہ دین کا اہتمام رکھتے ہیں کہ جو انہوں نے نہ کیا وہ یہ کریں گے۔ اسی طرح تابعین کے زمانے میں جو کچھ پیدا ہوا، اس پر کہا جائے گا کہ یہ بہتر ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کیوں نہ کرتے تابعین کیا ان سے بڑھ کر ہیں؟ علیٰ ہذا القیاس جوئی باتیں صحابہ کرام نے کیں، ان میں بھی تمہاری طرح کہا جائے گا، کیا رسول اللہ ﷺ کو معاذ اللہ ان کاموں کی خوبی معلوم نہ ہوئی یا صحابہ کرام کی نیک کاموں پر زیادہ توجہ تھی۔

معلوم ہوا کہ اس لغو اعتراض کی بنا پر عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ تمام صحابہ و تابعین بھی بدعتی قرار پاتے ہیں حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ کسی کام کو کرنا اور چیز ہے اور منع کرنا اور چیز۔ حضور ﷺ نے اگر ایک کام نہ کیا اور اس کو منع بھی نہ فرمایا، تو صحابہ کرام کے لیے کون سی چیز ممانعت کا باعث ہے کہ وہ اسے نہ کریں، اور اگر کوئی کام صحابہ نہ کریں تو تابعین کے لیے کون سی شرعی پابندی ہے، اور اگر وہ نہ کریں تو تبع تابعین کے لیے اسے کرنے پر کوئی پابندی نہیں اور اسی طرح اگر وہ نہ کریں تو ہمارے لیے اسے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بس یہ خیال رہے کہ وہ کام شرع کے نزدیک برائہ ہو۔ (اقامۃ القیامۃ ص ۴۰، ملخصاً)

☆ اذان کے ساتھ درود و سلام پڑھنا ☆

سوال: بعض گمراہ لوگ اذان سے قبل یا اذان کے بعد میں درود شریف پڑھنے کو بدعت و حرام بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسکی ابتدا اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی نے کی۔ انکے خیال میں صرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ والی اذان دینی چاہیے۔ اس بارے میں بھی وضاحت فرمادیجیے۔

جواب: اس سے قبل بدعت حسنہ اور بدعت سیدہ کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی جا چکی، پھر ”الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ“ کے جواز پر بھی دلائل و براہین پیش کیے گئے۔ اب ہم پہلے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ درود شریف پڑھنا کن مواقع پر ممنوع ہے۔

فقہاء نے مندرجہ ذیل اوقات میں درود پڑھنے سے منع کیا ہے۔ خرید و فروخت کے وقت، جماع، رفع حاجت، ذبح، چھینک، تعجب یا ٹھوکر کے وقت، تلاوت قرآن یا نماز کے دوران حضور ﷺ کا اسم گرامی آنے پر اور کسی بڑے آدمی کی آمد کی خبر دیتے وقت۔ ان مواقع کے علاوہ جس وقت بھی درود و سلام پڑھا جائے، حکم الہی ”صَلُّوا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوا“ (ان پر درود و سلام بھیجو) کی تعمیل ہوتی ہے۔ چونکہ جواز کے لیے حکم الہی موجود ہے لہذا ممانعت کے لیے شرعی دلیل ضروری ہے، بغیر دلیل کے کسی چیز کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔ اس پر پچھلے صفحات میں تفصیل سے گفتگو کی جا چکی ہے۔

حضور ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ”جب تم مؤذن کی اذان سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔“ (مسلم ج ۱ ص ۱۶۶) اس حدیث پاک میں درود شریف پڑھنے کا مطلق حکم ہے خواہ آہستہ پڑھا جائے یا بلند آواز سے۔ نیز درود شریف پڑھنے کا حکم مؤذن اور سامعین دونوں کے لیے ہے۔ (رد المحتار، بہار شریعت)

شفا شریف جلد دوم صفحہ ۵۲ اور شامی جلد اول صفحہ ۴۸۳ پر سرکارِ دو عالم ﷺ کے ذکر کے وقت، آپ کا نام مبارک سننے اور لکھنے کے وقت اور اذان کے وقت درود و سلام پڑھنا مستحب بتایا گیا ہے۔

خود یونہی مکتبہ فکر کے مولوی زکریا کاندھلوی صاحب نے فضائل درود کے صفحہ ۷ پر شامی کے حوالے سے لکھا کہ ”جن اوقات میں (درود) پڑھ سکتا ہو پڑھنا مستحب ہے بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو۔“ پھر انہوں نے تکبیر کے وقت اور اذان کے جواب کے بعد درود پڑھنا مستحب قرار دیا۔ (فضائل درود)

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے جب اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا، ”اذان کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود و سلام عرض کرنا جیسا کہ ملک عرب و مصر و شام وغیرہ بالادار الاسلام بلکہ خاص مسجد الحرام و مسجد اقدس مدینہ طیبہ میں مغرب کے سوا معمول ہے اور پانچ سو برس سے زیادہ گزرے کہ ائمہ و علماء اس پر تقریر و تسلیم کرتے آئے، بیشک جائز و مقبول ہے۔ حضور پر نور سرورِ عالم ﷺ کا ذکر اقدس ہر وقت ہر آن ہر مسلمان کا ایمان، ایمان کی جان، جان کا چین، چین کا سامان ہے۔..... حضور ﷺ فرماتے ہیں، ”جو کسی چیز کو دوست رکھتا ہے اسکو بہت یاد کرتا ہے۔“ (ابو نعیم، دیلمی)

پھر دلائل کے بعد فرماتے ہیں، ”ذریعہ مختار میں ہے کہ اذان کے بعد صلوٰۃ و سلام عرض کرنا سبب دو شنبہ نماز عشاء ماہ ربیع الآخر ۷۸ھ میں شروع ہوا، پھر جمعہ کے دن پھر دس برس بعد مغرب کے سوا سب نمازوں میں پھر دو دفعہ مغرب میں بھی؛ یہ ان نئی باتوں میں سے ہے جو نیک و محمود ہیں۔ امام محدث شمس الملتی والدین سخاوی ”القول البدیع“ میں، علامہ عمر بن نجیم ”نہر الفائق شرح کنز الدقائق“ میں، پھر فاضل محقق امین الملتی والدین شامی ”رد المحتار علی الدر المختار“ میں فرماتے ہیں، ”حق بات یہ ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے۔“

امام سخاوی رقمطراز ہیں، ”مؤذن حضرات فجر اور جمعہ کی اذانوں اور دیگر اذانوں کے بعد جو ”الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ“ پڑھتے ہیں اسکی ابتدا سلطان ناصر صلاح الدین ایوبی کے دور میں اٹکنے حکم سے ہوئی۔ اس سے پہلے لوگ اپنے خلفاء پر السلام علی الامام الظاہر وغیرہ کہہ کر سلام کہتے تھے جبکہ سلطان نے اس بدعت کو باطل کر کے اسکی جگہ رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کا حکم جاری کیا، اسے اسکی جزائے خیر عطا ہو۔“ (القول البدیع ص ۱۹۲)

امام سخاوی (متوفی ۹۰۲ھ) کے علاوہ امام شعرانی (م ۹۷۳ھ) نے کشف الغمہ ص ۷۸، امام ابن حجر شافعی (م ۸۵۲ھ) نے فتاویٰ کبریٰ ج ۱ ص ۱۳۱، امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے حسن المحاضرہ میں، محدث علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول میں، علامہ حلبی (م ۱۰۴۴ھ) نے سیرت حلبیہ میں اور علامہ ابن عابدین شامی (م ۱۲۵۲ھ) نے رد المحتار میں اسے بدعت حسنہ قرار دیکر اسکی تعریف کی ہے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

گویا سات سو سال سے ائمہ دین اور جلیل القدر علماء کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ اذان کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پڑھنا جائز و مستحب ہے، جبکہ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ اذان کے ساتھ درود و سلام پڑھنا اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایجاد نہیں بلکہ یہ تو گزشتہ سات صدیوں سے امت مسلمہ کا معمول ہے لہذا اسے بدعت سیدہ کہنا ہی دراصل بدعت و گمراہی ہے۔

چونکہ سوال میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کا ذکر کیا گیا اسلیے اس حوالے سے بھی ایک حدیث پاک پیش خدمت ہے جس سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے۔ ابوداؤد شریف میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ایک خاتون سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں میرا مکان بلند ترین مکانوں میں سے تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس مکان پر صبح صادق سے قبل چڑھ جاتے، جو نبی صبح صادق ہوتی تو اذان سے قبل چند دعائیہ کلمات کہہ کر پھر اذان دیتے۔ وہ کلمات یہ ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحْمَدُکَ وَاسْتَغْنِیْکَ عَلٰی قُرَیْشٍ اَنْ یَّقِیْمُوْا دِیْنَکَ۔ ”اے اللہ! میں تیری حمد کرتا ہوں اور تجھ سے مدد چاہتا ہوں اس بات پر کہ قریش تیرے دین کو قائم کریں۔“

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے قبل بلند آواز سے قریش کے لیے دعا پڑھتے تھے۔ درود و سلام بھی حضور ﷺ کے لیے رحمت کی دعا ہے تو جب اذان سے قبل قریش کے لیے دعا کرنا جائز ہے تو قریش کے سردار، رسول ہاشمی ﷺ کے لیے دعا کرنا کیونکر ناجائز ہوگا؟؟؟

☆ اسم محمد ﷺ سکر انگوٹھے چومنا ☆

سوال: اہل سنت اذان و اقامت میں نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومتے ہیں، اسکی کیا دلیل ہے؟ بعض لوگ اس مسئلے میں بھی شدید مخالفت کرتے ہیں۔
جواب: اذان میں سرکارِ دو عالم ﷺ کا اسم گرامی سن کر اپنے دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانا جائز و مستحب اور باعث خیر و برکت ہے۔ اسکے جواز پر متعدد احادیث اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف ”منیر العین فی حکم تقبیل الالبہامین“ میں تحریر فرمائی ہیں جبکہ اس سے ممانعت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔
علامہ اسماعیل حنفی (م ۱۱۳۷ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

”اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے جمال کو حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں مثل آئینہ ظاہر فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر پھیرا، پس یہ سنت انکی اولاد میں جاری ہوئی۔“ (تفسیر روح البیان جلد ۴ ص ۶۴۹)

امام ابوطالب محمد بن علی کی رحمہ اللہ اپنی کتاب قوت القلوب میں ابن عیینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے دس محرم کو مسجد میں تشریف لائے اور ستون کے قریب بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اذان میں آپ کا نام سن کر اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو اپنی آنکھوں پر پھیرا، اور کہا، قُرْۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ۔ ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔“ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہوئے تو آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، اے ابوبکر! جو تمہاری طرح میرا نام سن کر انگوٹھے آنکھوں پر پھیرے اور جو تم نے کہا وہ کہے، اللہ تعالیٰ اسکے تمام نئے پرانے، ظاہر و باطن گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔ (ایضاً، صفحہ ۶۴۸)

امام سخاوی، امام دیلمی کے حوالے سے فرماتے ہیں، ”حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب مؤذن سے ”اھمد ان محمد رسول اللہ“ سنا تو یہی جواب میں کہا اور اپنی شہادت کی انگلیاں زیریں جانب سے چوم کر آنکھوں سے لگائیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا، جو میرے اس پیارے دوست کی طرح کرے اسکے لیے میری شفاعت حلال ہوگئی۔ (المقاصد الحسنہ)

امام سخاوی، امام محمد بن صالح مدنی کی تاریخ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے امام مجدد مصری کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص اذان میں آقا و مولیٰ

ﷺ کا نام مبارک سن کر درود پڑھے اور اپنی شہادت کی انگلیاں اور انگوٹھے ملا کر انگوٹھ بوسہ دے اور آنکھوں پر پھیرے، اسکی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔ (ایضاً)

فقہ کی مشہور کتاب رد المحتار جلد اول صفحہ ۳۷۰ پر ہے، ”مستحب ہے کہ اذان میں پہلی بار شہادت سن کر ”صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ“ اور دوسری بار شہادت سن کر قُرْءَةً غَيْرَ بِلَاغٍ يَا رَسُولَ اللّٰهِ کہے، پھر اپنے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرے اور یہ کہے، اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ تَوْحِيْدًا لِّرَبِّكَ اَسْأَلُكَ جَنَّتْ مِيْنَ لِّے جَانِیْں گے۔ ایسا ہی کنز العباد امام ہستانی میں اور اسی کی مثل فتاویٰ صوفیہ میں ہے۔“

اسی طرح کتاب الفردوس، شرح نقایہ، طحاوی اور بحر الرائق کے حواشی رملی میں ہے اور حاشیہ تفسیر جلالین میں یوں ہے کہ ”ہم نے اس مسئلے پر اس لیے طویل گفتگو کی کیونکہ بعض لوگ جہالت کی وجہ سے اس مسئلے میں اختلاف کرتے ہیں۔“ حنفی علماء کے علاوہ شافعی علماء اور مالکی علماء نے بھی انگوٹھے چومنے کو مستحب قرار دیا ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی صحیح مرفوع حدیث نہیں ہے، سب احادیث ضعیف ہیں لہذا ضعیف حدیث شرعی دلیل نہیں بن سکتی۔ یہ اعتراض فن حدیث سے جہالت پر مبنی ہے۔ محدثین کا یہ فرمانا کہ ”یہ احادیث رسول کریم ﷺ تک مرفوع ہو کر صحیح نہیں“ یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ احادیث موقوف صحیح ہیں کیونکہ صحیح نہ ہونے سے ضعیف ہونا لازم نہیں آتا۔ انکے علاوہ بھی احادیث کے کئی درجے ہیں جن میں بدرجہ موضوع ہے جبکہ ”فضائل اعمال میں ضعیف حدیث بالا جماع مقبول ہے۔“ (مرقاۃ، اشعۃ اللمعات)

انگوٹھے چومنے سے متعلق حدیث موقوف صحیح ہے چنانچہ محدث علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”میں کہتا ہوں جب اس حدیث کا رفع حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لیے کافی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے، میں تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفاء راشدین کی سنت۔“ (موضوعات کبیر ص ۶۲) عاشق رسول ﷺ، ولی کامل، اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

لب پہ آ جاتا ہے جب نام جناب، منہ میں گھل جاتا ہے شہد نایاب
وجد میں ہو کے ہم اے جان بیتاب، اپنے لب چوم لیا کرتے ہیں

☆ ندائے یار رسول اللہ ﷺ ☆

سوال: عام مسلمان نبی کریم ﷺ کو استمداد کے لیے یا محبت و عقیدت سے پکارتے ہیں اور ندائیہ درود و سلام ”الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ“ پڑھتے ہیں۔ بعض لوگ اسے شرک کہتے ہیں۔ اس کے متعلق قرآن و سنت کی روشنی میں راہنمائی کیجیے۔

جواب: نبی کریم ﷺ کو حرف ”یا“ کے ساتھ ندا کرنا اور مذکورہ درود و سلام پڑھنا نہ صرف صحابہ کرام کی سنت ہے بلکہ اس دور میں صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کی علامت ہے، اسے کفر و شرک کہنے والا خود گمراہ اور بد مذہب ہے۔

رسول معظم رحمت عالم ﷺ نے ایک نابینا صحابی کو قضاے حاجت کے لیے یہ دعا تعلیم فرمائی،

”اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے جو کہ نبی رحمت ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کے دربار میں اس لیے متوجہ ہوا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے۔ یا اللہ! حضور ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔“

جب اس صحابی نے یہ دعا کی جس میں ”یا رسول اللہ ﷺ“ کی ندا موجود ہے، تو اسکی آنکھیں روشن ہو گئیں جیسے کہ وہ کبھی نابینا ہی نہ تھا۔

(حاکم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، طبرانی)

(اس دعا کا عربی متن فقیر کی کتاب ”مسنون دعائیں“ کے صفحہ ۸۵ پر ملاحظہ فرمائیں)

امام بخاری نے ادب المفرد میں روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سوغیا، کسی نے کہا، انہیں یاد کرو جو تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ نے بلند آواز سے فرمایا، یا محمد ﷺ! تو آپ کا پاؤں فوراً صحیح ہو گیا۔

امام نووی نے کتاب الاذکار میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اور ابن اشیر نے تاریخ کامل میں حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ کا یا محمد ﷺ (ﷺ) ندا کرنا روایت کیا ہے۔

نیم الریاض شرح شفاء عیاض میں ہے کہ اہل مدینہ میں یا محمد ﷺ (ﷺ) کہنے کا رواج عام ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے ہمراہ جب مسلمانہ کذاب کے لشکر سے برسر پیکار تھے اسوقت سب کی زبان پر یہ ندا تھی، یا محمد ﷺ (یا رسول اللہ ﷺ! مدد فرمائیے) پھر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ (ابن اشیر، طبری، البدایہ والنہایہ)

حضرت کعب بن زمرہ رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ جب حلب کی فتح کے لیے لڑ رہے تھے تو پکارتے تھے، یا محمد یا محمد یا نصر اللہ انزل یعنی یا رسول اللہ ﷺ! یا رسول اللہ ﷺ! اے اللہ کی مدد نازل ہو۔ انہیں فتح حاصل ہوئی۔ (فتوح الشام، تاریخ التوارخ)

ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ“ پکارنا صحابہ کرام اور تابعین سے لے کر آج تک ساری امت کا معمول رہا ہے۔ اس کو سب سے پہلے کس نے منع کیا؟ یہ

بات دیوبندی مکتبہ فکر کے مولوی حسین احمد کانگریسی کے قلم سے ملاحظہ کیجیے۔ وہ لکھتے ہیں، ”وہابیہ ضمیثیہ یہ صورت نہیں نکالتے اور جملہ انواع کو منع کرتے ہیں چنانچہ وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا کہ ”الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ“ کو سخت منع کرتے ہیں اور اہل حرمین پر سخت نفرتیں اس نداء و خطاب پر کرتے ہیں اور انکا استہزاء اڑاتے ہیں۔“ (الشہاب الثاقب ص ۶۵)

یہ امر قابل غور ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ کو حرفِ ندا ”یا“ کے ساتھ مخاطب کر کے سلام عرض کرنا یعنی اَلْسَلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ کہنا جب نماز میں واجب ہے تو نماز کے باہر شرک کیسے ہو سکتا ہے؟

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”یہ خطاب اسلیے ہے کہ حقیقت محمد ﷺ موجودات کے ذرے ذرے میں اور ممکنات کے ہر فرد میں سرایت کیے ہوئے ہے پس نورِ کبریا ﷺ ہر نمازی کی ذات میں موجود و حاضر ہیں، نمازیوں کو چاہیے کہ اس حقیقت سے آگاہ رہیں۔“ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ)

امام عبدالوہاب شعرانی نے کتاب المیزان میں، امام غزالی نے احیاء العلوم میں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں، امام عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں اور امام قسطلانی نے مواہب الدنیہ میں یہی عقیدہ بیان فرمایا ہے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

جانبِ کائنات ﷺ کا ارشاد ہے، ”جو کوئی مجھ پر درود پڑھے اسکی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے خواہ وہ کہیں بھی ہو۔“ (طبرانی، جلاء الافہام) دوسری جگہ فرمایا، ”جب کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے، میں اسکے سلام کا جواب دیتا ہوں۔“ (ابوداؤد، مسند احمد)

ایک اور ارشاد گرامی ہے، ”خدا کی قسم! مجھ پر نہ تمہارا رکوع پوشیدہ ہے اور نہ خشوع (جو کہ دل کی ایک کیفیت ہے)۔“ (بخاری)

آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ”میں دنیا کو اور جو کچھ دنیا میں قیامت تک ہونے والا ہے، سب کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔“ (ابونعیم، طبرانی)

پس جب نبی کریم ﷺ کی حقیقت و روحانیت کائنات کے ہر ذرے میں جاری و ساری ہے اور آقا و مولیٰ ﷺ تمام کائنات کو اپنی مبارک ہتھیلی کی مثل ملاحظہ فرما رہے ہیں تو گویا آپ ﷺ حاضر و ناظر ہیں اسلیے آپ ﷺ کو دور و نزدیک کہیں سے بھی یا رسول اللہ ﷺ پکارنا بالکل جائز بلکہ آقا و مولیٰ ﷺ سے عشق و محبت کی علامت ہے۔

☆ کھانے پر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟ ☆

سوال: کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فاتحہ پڑھنے سے کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں راہنمائی فرمائیں۔

جواب: اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں، مسلمان کو، دنیا سے جانے کے بعد قرآن مجید کی تلاوت یا کلمہ شریف اور درود شریف کی قرات اور دوسرے اعمالِ صالحہ یا کھانے پکڑے وغیرہ (صدقہ کرنے کا) جو ثواب پہنچایا جاتا ہے، اسے عرف میں فاتحہ کہتے ہیں کیونکہ اس میں سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ اور اولیاء کرام کو جو ایصالِ ثواب کرتے ہیں اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔ عام محاورہ ہے کہ بڑوں کے حضور جو ہدیہ پیش کرتے ہیں اسے نذر کہتے ہیں۔

فاتحہ یا ایصالِ ثواب کے لیے کھانے پینے کی اشیاء کا سامنے ہونا ضروری نہیں البتہ یہ جائز اور بہتر ہے۔ حضور ﷺ نے جانور کی قربانی کر کے اسکے سامنے یہ دعا فرمائی، ”اے اللہ! اسے میری امت کی طرف سے قبول فرما۔“ (مسلم، ترمذی، ابوداؤد)

کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا اور دعائے برکت کرنا متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ غزوہ تبوک کے دن نبی کریم ﷺ نے کھانے پر برکت کی دعا فرمائی۔ (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھا اور دعا فرمائی۔ (بخاری، مسلم) ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا حلوہ پر دعائے برکت فرمانا مذکور ہے۔ (بخاری، مسلم)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ کھانا سامنے رکھ کر تلاوت کرنا اور دعا مانگنا بلاشبہ جائز و مستحب ہے۔

مسلم شریف میں ہے کہ جس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے شیطان اپنے لیے حلال سمجھتا ہے یعنی بسم اللہ پڑھ کر کھانا پینا چاہیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا، ”تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو۔“ (الانعام: ۱۱۸) آپ بتائیے کہ فاتحہ میں کیا پڑھا جاتا ہے؟ کیا چاروں قل اور سورہ فاتحہ پڑھنے سے کھانا حرام ہو جاتا ہے؟

حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ بسم اللہ پڑھنے سے شیطان اس کھانے کو حلال نہیں سمجھتا اور قرآن کریم سے معلوم ہوا جس کھانے پر اللہ کا نام لیا جائے وہ کافر نہیں کھاتے۔ اب نتیجہ یہ نکلا کہ فاتحہ پڑھنے سے کھانے کو حرام سمجھنا اور اسے نہ کھانا کافروں اور شیطان کا طریقہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنے سے کھانا برکت والا ہو جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے فتاویٰ کی جلد اول صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں، ”نیاز کا وہ کھانا جس کا ثواب امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کو پہنچایا جائے اور اس پر فاتحہ، قل اور درود شریف پڑھا جائے تو وہ کھانا برکت والا ہو جاتا ہے اور اسکا کھانا بہت اچھا ہے۔“

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ عوارف المعارف میں فرماتے ہیں، ”تلاوت کرنے سے کھانے کے اجزاء ذکر کے انوار سے معمور ہو جاتے ہیں اور کھانے میں کوئی خرابی بھی پیدا نہیں ہوتی اور ایسا طعام کھانے سے دل کی کیفیت بھی بدل جاتی ہے۔“

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں، ”وہ کھانا جو حضرات انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ارواح طیبہ کو نذر کیا جاتا ہے اور امیر و غریب سب کو بطور تبرک دیا جاتا ہے یہ سب کو ہلکا تکلف روا ہے اور باعث برکت ہے۔ برکت والوں کی طرف جو چیز نسبت کی جاتی ہے انہیں برکت آ جاتی ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ)

فاتحہ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ چاروں قل شریف تلاوت کیے جائیں جس میں سورہ اخلاص تین مرتبہ پڑھی جائے پھر سورہ فاتحہ تلاوت کی جائے، پھر اگر یاد ہوں تو سورہ بقرہ کی ابتدائی پانچ آیات اور مزید چند آیات تلاوت کر کے درود شریف پڑھ کر یوں دعا مانگی جائے۔

”اے اللہ! ان آیات اور اس طعام کو قبول فرما، ان عبادات پر میرے اعمال کے لائق نہیں بلکہ اپنے کرم کے لائق ثواب عطا فرما۔ اور یہ ثواب ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہ میں مرحمت فرما۔ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میں یہ ثواب تمام انبیاء کرام، صحابہ کرام، اہلبیت عظام، تابعین، تبع تابعین، جمیع اولیائے کاملین خصوصاً فلاں ولی اللہ مثلاً حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں نذر پہنچا۔ پھر یہ ثواب حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک جتنے مسلمان انتقال کر گئے یا موجود ہیں یا قیامت تک ہونگے، سب کو اس کا ثواب پہنچا۔ یا اللہ! تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما، ہمیں مذہب مہذب مسلک حق اہلسنت و جماعت پر استقامت عطا فرما، ہمیں دنیا و آخرت کی ہر بھلائی عطا فرما، ہمیں اپنا خوف، اپنے حبیب ﷺ کی سچی محبت اور آخرت کی فکر عطا فرما، ہمارے اہل و عیال سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ آمین

پھر اگر چاہیں تو مزید دعائیں مانگیں، آخر میں درود شریف پڑھ کر دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر لیں۔ مسلمان بعض مواقع پر فاتحہ کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں مثلاً میلاد شریف، دس محرم الحرام، غوث اعظم کی گیارہویں شریف، خولجہ غریب نواز اجیری کی چھٹی شریف، شب برات کا حلوہ، رجب شریف کے کوٹھے وغیرہ ان سب کی اصل ایصال ثواب ہے اور یہ سب جائز ہیں۔

☆ گیارہویں شریف ☆

سوال: گیارہویں شریف کیا ہے؟ بعض گمراہ کہتے ہیں کہ تم حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے لیے ہر ماہ ایصال ثواب نہیں کرتے مگر ہر ماہ گیارہویں شریف کرتے ہو۔ اس کا کیا سبب ہے؟

جواب: حضرت غوث اعظم پیران پیر دنگیر سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے ایصال ثواب کے لیے قرآن کریم کی تلاوت، نعت خوانی، ذکر الہی اور تقسیم طعام و شیرینی پر مشتمل محفل جو عموماً کسی بھی دن اور خصوصاً چاند کی گیارہ تاریخ کو منعقد ہوتی ہے اسے گیارہویں شریف کہتے ہیں۔ اس کی اصل ایصال ثواب ہے جو کہ قرآن و سنت سے ثابت ہے اس حوالے سے پہلے تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کھانے پینے کی چیزوں کی نسبت غیر خدا کی طرف کرنے سے وہ حرام ہو جاتی ہیں اس لیے گیارہویں شریف کا کھانا حرام ہے (معاذ اللہ)۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوی میں عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! اُم سعد کا انتقال ہو گیا اب انکے ایصال ثواب کے لیے کون سا صدقہ بہتر ہے؟ ارشاد فرمایا، پانی۔ (کیونکہ اس وقت مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کو پانی کی سخت حاجت تھی) لہذا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھدوا کر فرمایا، ہذہ لآمٍ سَعْدٌ۔ یہ کنواں اُم سعد کے لیے ہے۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شے کو کسی فوت شدہ ہستی کی طرف منسوب کرنا نہ تو گناہ ہے اور نہ ہی اس سے وہ شے حرام ہوتی ہے۔ جیسے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کنوئیں کو اپنی والدہ کی طرف منسوب کیا، اسی طرح ہم گیارہویں شریف کو سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”بیشک ہمارے شہروں میں سیدنا غوث اعظم کی گیارہویں شریف مشہور ہے اور یہی تاریخ اہل ہند میں سے آپ کی اولاد و مشائخ میں معروف ہے۔“ (ماہیت پائس) عارف کامل شیخ عبدالوہاب متقی کی قدس سرہ غوث الثقلین کا عرس کیا کرتے تھے۔ (ایضاً) شیخ امان اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ بھی ماہ ربیع الآخر کی گیارہ تاریخ کو غوث الثقلین کا عرس کیا کرتے تھے۔ (اخبار الاخبار)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے روضہ مبارک پر گیارہویں تاریخ کو حکمران اور کاربرین شہر وغیرہ جمع ہوتے، نماز عصر تا مغرب قرآن کریم تلاوت کرتے اور حضرت غوث اعظم کی شان میں قصائد و منقبت پڑھتے، بعد مغرب سجادہ نشین مریدین و حاضرین کے درمیان بیٹھ کر انہیں ذکر بالجہر کراتے، اسی حالت میں بعض پروجدانی کیفیت طاری ہو جاتی۔ پھر طعام و شیرینی جو نیاز تیار ہوتی وہ تقسیم کی جاتی اور لوگ نماز عشاء ادا کر کے رخصت ہوتے۔“ (ملفوظات عزیزی)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات اپنی کتاب کلمات طیبات میں جمع فرمائے ہیں، اس کا فارسی نسخہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۷۷ ملاحظہ

ہو، مرزا صاحب فرماتے ہیں،

”میں نے خواب دیکھا کہ ایک وسیع چبوترہ پر بہت سے اولیاء کرام حلقہ کی صورت میں مراقبہ میں ہیں جن میں خواجہ نقشبند اور جنید بغدادی رحمہما اللہ بھی تشریف فرما ہیں۔ پھر یہ حضرات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے استقبال کو چل دیے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انکے ساتھ چادر اوڑھے، برہنہ پاؤں ایک بزرگ بھی تھے جنکا ہاتھ تعظیم سے آپ نے اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ حضرت اولیس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر ایک صاف و شفاف حجرہ مبارک ظاہر ہوا جس پر نور کی بارش ہو رہی تھی، یہ تمام بزرگ اس میں داخل ہو گئے۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آج حضرت غوث الثقلین کا عرس یعنی گیارہویں شریف ہے اور یہ تمام بزرگ اس عرس کی تقریب میں تشریف لے گئے ہیں۔“

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ گیارہویں شریف اور اولیاء کرام کے اعراس مبارک مسلمانوں کا صدیوں سے معمول رہے ہیں خصوصاً گیارہویں شریف تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کے زمانے یعنی ۹۵۸ھ تا ۱۰۵۲ھ میں تمام شہروں میں مشہور ہو چکی تھی۔

یہ اعتراض کہ ”ہم گیارہویں شریف کی طرح حضور ﷺ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لیے ایصالِ ثواب نہیں کرتے“ نہایت لغو اور جاہلانہ ہے۔ خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اہل سنت جب بھی کسی ولی اللہ یا اپنے کسی مرحوم عزیز کے لیے بھی فاتحہ دلاتے ہیں تو سب سے پہلے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہِ یکس پناہ میں ثواب کا نذرانہ پیش کرتے ہیں پھر دیگر انبیاء کرام، صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کی ارواحِ مقدسہ کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں پھر اولیاء کرام اور اپنے مرحوم عزیزوں کو ثواب پہنچاتے ہیں۔ پچھلے سوال کے جواب میں فاتحہ کا طریقہ بیان ہوا، اسے دوبارہ پڑھ لیجیے، یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ہم جب بھی کوئی فاتحہ کرتے ہیں وہ نبی کریم ﷺ اور انکے صحابہ و اہل بیت کرام بلکہ تمام مسلمانوں کے ایصالِ ثواب پر مبنی ہوتی ہے۔

☆ شعائرِ اہل سنت کی پابندی کیوں؟ ☆

سوال: بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اہل سنت محفلِ میلاد النبی ﷺ اور گیارہویں شریف کرنے، کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنے اور حضور ﷺ کا اسمِ گرامی سن کر انگوٹھے چومنے کو واجب سمجھتے ہیں اس لیے ان افعال کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں۔ اس الزام کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: پہلے تو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ اہل سنت مذکورہ افعال کو ہرگز فرض یا واجب نہیں سمجھتے بلکہ انہیں مستحب و مستحسن جان کر انکی پابندی کرتے ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ ان مستحب امور کی پابندی کیوں کی جاتی ہے تو جواباً عرض ہے کہ مستحب افعال کی پابندی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول ﷺ کے نزدیک پسندیدہ ہے اس لیے ہم ان مستحب کاموں کی پابندی کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں قرآن کریم سے راہنمائی لیجیے:

ارشاد ہوا، ”اور راہب بننا، تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی، ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی، ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی، پھر اسے نہ نباہا جیسا اسکے نباہنے کا حق تھا، تو ان کے ایمان والوں کو ہم نے ان کا ثواب عطا کیا، اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں۔“ (الحجید: ۲۷، کنز الایمان)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس نیکی کو نہ نباہا یعنی اسکی پابندی نہ کی انہوں نے برا کیا۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ مستحب کاموں کو پابندی سے کرنا رب تعالیٰ کو پسند ہے۔

آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ”اللہ تعالیٰ کو وہ عمل محبوب ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہو۔“ (بخاری، مسلم)

حضور ﷺ کا ایک اور ارشادِ گرامی ہے، ”جو اشراق کی دو رکعت کی پابندی کرے اسکے گناہ بخش دیے جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چاشت کی آٹھ رکعات پڑھتیں پھر فرماتیں، ”اگر میرے ماں باپ اٹھا بھی دیے جائیں تو میں یہ نفل نہ چھوڑوں۔“ (مشکوٰۃ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نفل یا مستحب کی پابندی کرنا اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کو پسند ہے۔ ہم روزانہ تین وقت کھانا کھاتے ہیں، ہر جمعہ کو غسل کرتے ہیں، عید پر نئے کپڑے سلواتے ہیں، مدارس میں سالانہ امتحان ہوتے ہیں، سالانہ جلسے ہوتے ہیں، رمضان میں تعطیلات ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام امور کی پابندی سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہم انہیں واجب سمجھتے ہیں۔

اس ضمن میں ایک اور نہایت اہم بات ذہن نشین رکھنی ضروری ہے اور وہ یہ کہ ہر دور میں ارکانِ اسلام کے علاوہ اہل ایمان کی مختلف علامات رہی ہیں اور حسبِ زمانہ کافروں اور بد مذہبوں کی علامات اور شعائر سے بچنا بھی اہل ایمان کے لیے لازم رہا ہے۔ ابتدائے اسلام میں محض کلمہ پڑھنا ہی مسلمانوں کی پہچان تھی پھر جب منافق پیدا ہوئے تو قرآن نے انکی علامات بیان فرمادیں۔ اس حوالے سے سورہ بقرہ کا دوسرا رکوع اور سورہ منافقون ملاحظہ کیجیے۔ پھر جب دیگر بد مذہب پیدا ہوئے تو غیب بتانے والے آقا و مولیٰ ﷺ نے ان اہل بدعت مثلاً خوارج، قدریہ وغیرہ کی علامات بیان فرمادیں جنکی وجہ سے صحابہ کرام نے گمراہ لوگوں کو شناخت کیا بلکہ بخاری شریف میں ہے کہ خوارج کی نشانیوں والے ایک شخص کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

شرح فقہ اکبر میں محدث علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا، سنی کی پہچان کیا ہے؟ تو فرمایا، ”حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما سے محبت کرنا، حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو افضل جاننا اور چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا۔“

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے جب اہلسنت کی پہچان پوچھی گئی تو انہوں نے بھی یہی علامات ارشاد فرمائیں۔ درمختار باب المیاء میں ہے کہ ”حوض سے وضو کرنا افضل ہے کیونکہ معتزلہ اسے ناجائز کہتے ہیں لہذا ہم حوض سے وضو کر کے انہیں جلاتے ہیں۔“

غور فرمائیے کہ حوض سے وضو کرنا اور چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا فرض یا واجب نہیں ہے لیکن چونکہ اس زمانے میں انکے منکر پیدا ہو گئے تھے اس لیے ان کاموں کو اہلسنت کی پہچان قرار دیا گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض جائز کام بد مذہبوں کی مخالفت کی وجہ سے افضل اور اہم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح محفل میلاد، گیارہویں شریف، کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنا اور حضور ﷺ کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومنا وغیرہ یہ سب افعال فرض یا واجب نہیں ہیں لیکن چونکہ فی زمانہ ان مستحب کاموں کے منکر پیدا ہو گئے ہیں جو نبی کریم ﷺ اور محبوبانِ خدا کی عظمت و شان سے عناد رکھتے ہیں اس لیے یہ مستحب امور صحیح العقیدہ اہلسنت ہونے کی علامت ہیں۔

☆☆☆☆☆

باب یازدہم: اہلسنت کون؟

☆ جنتی گروہ کی علامات ☆

سوال: موجودہ دور میں بیشمار فرقے پیدا ہو چکے ہیں جن میں ہر فرقہ خود کو جنتی قرار دیتا ہے اور ایک فرقہ ان لوگوں کا بھی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارا تعلق کسی فرقے سے نہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ فرمائیں کہ ان میں سے جنتی گروہ کی شناخت کیسے کی جائے؟

جواب: غیب کی خبریں دینے والے آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، ہنسی اسرائیل میں بہتر (۷۲) فرقے ہوئے اور میری امت میں بہتر (۷۳) فرقے ہونگے۔ ان میں صرف ایک گروہ جنتی ہے اور باقی سب فرقے جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! وہ جنتی گروہ کون سا ہے؟ فرمایا، جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

نبی کریم ﷺ نے چودہ سو سال پہلے یہ غیبی خبر دے دی تھی تاکہ اتنے سارے فرقوں میں سے جنتی گروہ کی شناخت ہو سکے۔ اس سلسلے میں سورہ فاتحہ کی یہ آیات بھی قابلِ غور ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ”ہم کو سیدھا راستہ چلا، راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا، نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بے کھے ہوؤں کا۔“ (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

ہم ہر نماز میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ الہی! ہمیں اپنے انعام یافتہ بندوں کے راستے پر چلا کیونکہ یہی سیدھا راستہ ہے۔ بتائیے کیا قرآن و حدیث کا راستہ سیدھا راستہ نہیں ہے؟ یقیناً قرآن و حدیث کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے لیکن رب کریم خوب جانتا ہے کہ گمراہ لوگ قرآن تلاوت کریں گے مگر بات اپنے مطلب کی کریں گے اور ترجمہ و تفسیر میں اپنے فاسد نظریات داخل کر دیں گے۔ یونہی حدیث پڑھیں گے مگر اس کا خود ساختہ مفہوم بیان کر کے مسلمانوں کو دھوکا دیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ بندوں کے راستے کو معیارِ حق قرار دے دیا تاکہ جو قرآن و حدیث کا عالم نہ ہو وہ بھی جان لے کہ صحابہ کرام و اولیائے کاملین کا راستہ ہی صراطِ مستقیم ہے۔

اب آپ دیکھ لیجیے کہ صحابہ کرام حضور اکرم ﷺ کی کیسی تعظیم و توقیر کرتے، آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہ میں حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے فریاد کرتے، انکی محبت کو ایمان کی جان سمجھتے، بارگاہِ الہی میں حاجت روائی کے لیے انہیں وسیلہ بناتے۔ (ان عنوانات پر متعدد احادیث مبارکہ فقیر کی کتاب ”ضیاء الحدیث“ باب اول ایمانیات میں ملاحظہ فرمائیں)۔ اسی طرح آپ غور فرمائیے کہ حضرت غوثِ اعظم قدس سرہ کا تعلق کس گروہ سے ہے، داتا گنج بخش، خواجہ غریب نواز، مجدد الف ثانی، بابا فرید گنج شکر اور دیگر اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا تعلق کس گروہ سے ہے؟ الحمد للہ! اہلسنت و جماعت ہی وہ گروہ ہے جو صحابہ کرام کے عقائد و افکار کا پیرو کار ہے اور اسی گروہ میں تمام اولیاء کرام ظاہر ہوئے ہیں اور یہی جنتی گروہ ہے۔

اب ہم جائزہ لیتے ہیں کہ احادیث مبارکہ میں جنتی گروہ کی مزید کیا علامات بیان ہوئی ہیں؟ پہلی علامت یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کا ایک گروہ ہر دور میں ضرور حق پر رہے گا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، میری امت کا ایک طبقہ دین پر قائم رہے گا، جو انکی مخالفت کرے گا وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔ (مسلم)

صحیب کبریا، احمد مختار ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، ”یقیناً اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر متفق نہ ہونے دے گا، جماعت پر اللہ کا دستِ کرم ہے اور جو جماعت سے الگ رہا وہ الگ ہی دوزخ میں جائے گا۔“ (ترمذی، مشکوٰۃ)

اب دیکھنا یہ ہے کہ جنتی ہونے کے دعویدار فرقوں نے کب جہنم لیا؟

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دعا مانگی، ”اے اللہ! ہمیں ہمارے شام میں برکت دے، اے اللہ! ہمیں ہمارے یمن میں برکت دے۔“ بعض لوگوں نے عرض کی، نجد کے لیے بھی دعا کریں۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے پھر شام اور یمن کے لیے دعا فرمائی۔ لوگوں نے پھر نجد کے لیے دعا کی درخواست کی، مگر آپ نے پھر شام اور یمن کے

لیے دعا فرمائی۔ تیسری بار لوگوں کے عرض کرنے پر فرمایا،

”وہاں زلزلے اور فتنے ہونگے اور وہاں سے شیطان کا سینگ یعنی شیطانی گروہ نکلے گا۔“ (صحیح بخاری جلد سوم کتاب الفتن)

اگر نجد کے علاقے سے کئی فرقے نمودار ہوتے تو شاید لوگ ”شیطانی گروہ“ کو پہچاننے میں غلطی کر جاتے لیکن خدا کا کرنا دیکھیے کہ وہاں ایک ہی فرقہ پیدا ہوا۔ بارہویں صدی ہجری میں نجد میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی نے ایک نئے دین کی بنیاد رکھی، اس نے اپنے سوا تمام مسلمانوں کو کافر و شرک قرار دیا اور ان کا قتل عام کیا۔ اس وقت علماء حق میں سے اس کے سکے بھائی شیخ سلیمان بن عبد الوہاب نے اس کا سخت رد کیا۔ وہ اپنی کتاب الصواعق الالہیہ کے صفحہ ۴۳ پر لکھتے ہیں،

”رسول معظم ﷺ کے بعد سرزمین نجد میں جو پہلا فتنہ واقع ہوا وہ شیخ نجدی کا فتنہ ہے جس نے مسلمانوں کے درمیان صدیوں سے رائج معمولات کو کفر اور مسلمانوں کو کافر بنا دیا بلکہ شیخ نجدی نے ان لوگوں کو بھی کافر بنا دیا جو ان مسلمانوں کو کافر نہ کہے۔ حالانکہ مکہ، مدینہ اور یمن کے علاقوں میں صدیوں سے یہ معمولات رائج ہیں بلکہ ہم کو تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اولیاء کا وسیلہ، انکے مزارات سے توسل و استمداد اور اولیاء اللہ کو پکارنا یہ تمام امور دنیا میں سب سے زیادہ یمن اور حرمین شریفین میں کیے جاتے ہیں۔“

شیخ سلیمان نے اہلسنت کی حقانیت کی ایک دلیل یہ دی تھی کہ صحیح بخاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی حضور ﷺ کا ارشاد ہے، ”اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور یہ امت ہمیشہ صحیح دین پر قائم رہے گی یہاں تک کہ قیامت آجائے۔“ اس حدیث میں آقا و مولیٰ ﷺ نے قیامت تک امت کے دین پر قائم رہنے کی خبر دی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جن امور کو تم کفر بتاتے ہو وہ ابتداءً اسلام سے لے کر آج تک تمام دنیائے اسلام میں مروج اور معمول ہیں۔

پس اگر اولیاء اللہ کے مزارات بڑے بڑے بت ہوتے اور ان سے استمداد و استغاثہ کرنے والے کافر ہوتے تو تمام امت صحیح دین پر قائم نہ ہوتی بلکہ ساری امت کافر قرار پاتی (جبکہ یہ حدیث پاک تمہارے اس باطل نظریے کی تردید کرتی ہے)۔ (الصواعق الالہیہ ص ۴۰)

شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے پیروکار وہابی کہلاتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں وہابیت کی ایک شاخ نے میاں نذیر حسین دہلوی کی قیادت میں جنم لیا جو تقلید کے منکر تھے۔ انگریز حکومت سے اپنے تعلق کے بارے میں اسی فرقہ کا ترجمان رسالہ لکھتا ہے کہ:

”لارڈ ڈفرن، گورنر جنرل اور وائسرائے ہند کو دیے گئے سپانے میں قائد الہمدیث میاں نذیر حسین دہلوی، محمد حسین بٹالوی وکیل الہمدیث ہند کے علاوہ الہمدیث کے پانچ بڑے پیشواؤں کے نام شامل ہیں۔“ (اشاعۃ السنۃ جلد ۱ شمارہ ۲ صفحہ ۴۱)

غیر مقلدوں کے پیشوا نواب صدیق حسن بھوپالی نے اس وقت بھی اہلسنت کو انگریزوں کا بدخواہ اور دشمن قرار دیا۔ انہوں نے لکھا، ”اگر کوئی بدخواہ بداندیش سلطنت برٹش کا ہو گا تو وہی شخص ہوگا جو آزادیء مذہب (یعنی غیر مقلد ہونے) کو ناپسند کرتا ہے اور ایک مذہب خاص پر جو باپ دادوں کے وقت سے چلا آتا ہے، جما ہوا ہے۔“ (ترجمان وہابیہ ص ۵)

اس نمک حلائی پر انگریز حکومت نے پانچ الہمدیث مولویوں کو ”شمس العلماء“ اور دو مولویوں کو ”خان بہادر“ کے القابات سے نوازا۔ (الدرالمستور راز مولوی یوسف جعفری) صحابہ کرام، تابعین و صالحین کے ساتھ اس فرقہ کے ناروا سلوک کا حال انہیں کے پیشوا نواب وحید الزماں کی زبانی ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں، ”غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے آپ کو الہمدیث کہتے ہیں انہوں نے ایسی آزادی اختیار کر رکھی ہے کہ مسائل اجماعی کی پرواہ نہیں کرتے، نہ سلف صالحین اور صحابہ اور تابعین کی۔ اور قرآن کی تفسیر صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں، حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی اسکو بھی نہیں سنتے۔“

(شیشے کے گھر ص ۲۰ بحوالہ حیات وحید الزماں ص ۱۰۲)

برصغیر میں وہابیت کی دوسری شاخ مولوی اسماعیل دہلوی نے قائم کی۔ انہوں نے شیخ نجدی کی کتاب التوحید کا چر بھارد میں تقویۃ الایمان کے نام سے شائع کیا۔ انکے علمی مقام کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ انکے چچا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے انکے متعلق فرمایا، ”ہم تو سمجھے تھے کہ اسماعیل عالم ہو گیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہ سمجھا۔“ (ارواحِ ثلاثہ ص ۱۲۰ از مولوی اشرف علی تھانوی) انگریزوں کی نوازشات سے متاثر ہو کر مولوی اسماعیل دہلوی نے سر عام فتویٰ دیا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا کسی طرح درست نہیں بلکہ خلاف مذہب ہے۔ (حیات طیبہ ص ۲۹۶ از مولوی حیرت دیوبندی)

پاک و ہند میں وہابیت کی تیسری شاخ دیوبند (جو کہ خفی ہونے کی دعویٰ دے رہا ہے، اس) کی ابتدا بھی انگریز حکومت کی خاص نوازشوں سے ہوئی۔ اس کا ذکر خود دیوبندی اکابرین نے اپنی کتب میں کیا ہے؛ مولوی شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں، ”سنا گیا ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی کو انگریز حکومت کی جانب سے چھ سو (۶۰۰) روپے ماہوار دیے جاتے تھے۔“ (مکالمۃ الصدرین ص ۱۰ مطبوعہ دیوبند)

نیز ”الیاس دہلوی کی تبلیغی جماعت کو ابتدا میں انگریز حکومت کی جانب سے کچھ روپیہ ملتا تھا۔“ (ایضاً ص ۸)

دیوبند کے مفتی، اعظم مولوی رشید گنگوہی پر بعض لوگوں نے جنگ آزادی میں شرکت کا الزام لگایا تو مولوی صاحب نہایت مطمئن رہے، بقول انکے سوانح نگار: ”آپ کو وہ

استقلال بنے ہوئے خدا کے حکم پر راضی تھے اور سمجھتے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار (انگریز) کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکانہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار (انگریز) مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔“ (تذکرۃ الرشید ص ۸۰)

دیوبندی مکتبہ فکر کی عمارت بھی شیخ نجدی کے توہین رسالت پر مبنی باطل عقائد کی بنیادوں پر تعمیر ہوئی۔ شیخ نجدی کے گستاخانہ نظریات کی تعریف میں گنگوہی صاحب لکھتے ہیں، ”محمد بن عبد الوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں، انکے عقائد عمدہ تھے اور مذہب انکا ضعیلی تھا۔“

(فتاویٰ رشیدیہ جلد اول، کتاب التقلید ص ۱۱۹)

دیوبندی فرقے کی ابتدا کے بارے میں دارالعلوم دیوبند کے استاذ التفسیر مولوی انظر شاہ کشمیری لکھتے ہیں، ”میرے نزدیک دیوبندیت خالص ولی اللہی فکر بھی نہیں اور نہ کسی خانوادہ کی لگی بندھی فکر دولت و متاع ہے۔ میرا یقین ہے کہ اکابر دیوبند جن کی ابتدا میرے خیال میں سیدنا الامام مولانا قاسم صاحب اور فقیہ اکبر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے ہے..... دیوبندیت کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے کی بجائے مذکورہ بالا دو عظیم انسانوں سے کرتا ہوں۔“ (ماہنامہ البلاغ کراچی، مارچ ۱۹۶۹ء ص ۴۸)

ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ دیوبندی فرقے کی ابتدا مولوی قاسم نانوتوی اور مولوی رشید گنگوہی سے ہوئی یعنی یہ فرقہ بھی تقریباً سوا سو سال پہلے وجود میں آیا۔ گویا غیر مقلد (الجدیدیت) اور دیوبندی مکاتب فکر کا آغاز انگریز دور میں ہوا اور یہ دونوں شیخ نجدی کے باطل نظریات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اکابرین دیوبند کے کفریہ عقائد کی تفصیل جاننے کے لیے اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”حسام الحرمین“ (جو اس وقت کے علمائے حرمین کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے) اور علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی قدس سرہ کی تصنیف ”الحق المبین“ کا مطالعہ فرمائیں۔

موجودہ صدی کے چوتھے عشرے میں جناب مودودی صاحب نے غیر مقلدین ہی کی طرز پر ”جماعت اسلامی“ کے نام سے ایک فرقے کی بنیاد رکھی اور شیخ نجدی کو مجدد اور شیخ الاسلام قرار دیا، اس گروہ کو وہابیت کی جدید شاخ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ مودودی صاحب کے قلم کی زد سے بھی انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام کی عصمت و عظمت محفوظ نہ رہی، اسکی تفصیل جاننے کے لیے علامہ ارشد القادری مدظلہ العالی کی تصنیف جماعت اسلامی کا مطالعہ فرمائیں۔

اب ہم اہلسنت و جماعت کا ذکر کرتے ہیں جن کے عقائد قرآن و حدیث اور اکابر ائمہ دین سے ثابت اور منقول ہیں اور کوئی ایسا عقیدہ پیش نہیں کیا جاسکتا جو مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایجاد ہو، جن کی نسبت سے آج مخالفین، ہم اہلسنت کو ”بریلوی“ کہتے ہیں۔

خود غیر مقلد مولوی احسان الہی ظہیر نے یہ اقرار کیا کہ ”یہ جماعت اپنی پیدائش اور نام کے لحاظ سے نئی ہے لیکن نظریات اور عقائد کے اعتبار سے قدیم ہے۔“ (البریلویہ ص ۷)

ایک اور غیر مقلد مولوی ابوبکری امام خان نوشہروی نے لکھا، ”یہ جماعت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کی مدعی ہے مگر دیوبندی مقلدین انہیں بریلوی کہتے ہیں۔“ (تراجم علمائے الہدیث ہند ص ۳۷۶) مشہور مؤرخ سلیمان ندوی لکھتے ہیں، ”تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا اور اپنے آپ کو اہل سنت کہتا رہا۔ اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علماء تھے۔“ (حیات شبلی ص ۴۶)

ان اقتباسات سے ثابت ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت نے انہی افکار و معمولات کی حمایت و اشاعت کی جو امت مسلمہ میں صدیوں سے رائج تھے جیسے انبیاء اور اولیاء کا وسیلہ، محبوبانِ خدا سے مدد مانگنا اور اولیاء اللہ کو پکارنا وغیرہ جنہیں مخالفین شرک قرار دیتے ہیں۔ ان معمولات کے ہر دور میں مروج ہونے کے متعلق شیخ سلیمان کی تحریری گواہی اوپر نقل کی جا چکی ہے۔

محدث علی قاری علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں، ”جس راہ پر نبی کریم ﷺ اور انکے صحابہ کرام ہیں صرف وہی راہ چلنے والا گروہ جنتی ہے اور وہ اہلسنت و جماعت ہی ہے اور اس گروہ میں فقہاء کرام مثلاً ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل)، محدثین کرام اور متکلمین اشاعرہ اور ماتریدیہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) ہیں، ان کے مذاہب بدعت سے خالی ہیں۔“ (شرح شفا جلد اول)

دوسری جگہ رقمطراز ہیں، ”پس اہلسنت و جماعت کے جنتی گروہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔“ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول)

قبل ازیں جنتی گروہ کی پہلی علامت حدیث شریف کے حوالے سے یہ بیان کی گئی کہ جنتی گروہ کے عقائد آقا و مولیٰ ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانہ اقدس سے اب تک متصل چلے آ رہے ہوں۔ اس کے متعلق تفصیلی گفتگو ہوئی اور موجودہ دور کے چند فرقوں کے متعلق انہی کے اکابرین کی کتب سے یہ ثابت کیا گیا کہ وہ سب انگریز دور کی پیداوار ہیں۔

جنتی گروہ کی دوسری علامت اس کا سوادِ اعظم یعنی بڑا گروہ ہونا ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ”بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو اس سے الگ رہا وہ الگ ہی آگ میں جائے گا۔“ (ابن ماجہ، مشکوٰۃ) دوسری جگہ ارشاد ہوا، ”بہتر (۷۲) فرقے جہنمی اور ایک جنتی ہے اور وہ بڑا گروہ ہے۔“ (مشکوٰۃ بحوالہ احمد، ابوداؤد)

حقیر کل حتم الرسل ﷺ کا ارشاد ہے، ”شیطان انسان کے لیے بھیڑیا ہے جیسے بھیڑیا الگ اور دور اور کنارے والی بکری کا شکار کرتا ہے (ایسے ہی شیطان انسان کا شکار کرتا

ہے)، لہذا تم گھائیوں سے بچو اور (اہلسنت کی) جماعت اور عام مسلمانوں کے ساتھ رہو۔ (مسند احمد)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جنتی گروہ مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت ہے اور جو اس بڑی جماعت سے الگ رہا وہ شیطان کا شکار ہو کر جہنم کا ایندھن بن جائے گا۔ علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی (م ۱۳۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ ایک قبیلہ کاریس شیخ نجدی سے ملنے آیا اور کہنے لگا، اگر تمہارا قابل اعتماد خادم تمہیں یہ خبر دے کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک بڑا لشکر تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اور تم ایک ہزار آدمیوں کو اس بات کی تصدیق کے لیے روانہ کرو اور وہ تمہیں تحقیق کر کے یہ بتائیں کہ وہاں کوئی لشکر نہیں ہے تو تم اس ایک آدمی کی تصدیق کرو گے یا ان ہزار آدمیوں کی؟ شیخ نجدی نے کہا، میں ان ہزار آدمیوں کی تصدیق کروں گا۔ اس رکیس نے کہا، اسی طرح تمام مسلمان عوام اور علماء، زندہ اور فوت شدہ اپنی کتابوں میں تمہاری دعوت، تمہاری تحریک اور تمہارے عقائد کی تردید کرتے رہے ہیں پس ہم ان تمام کی تصدیق کریں یا صرف ایک تمہاری؟ شیخ نجدی کوئی جواب نہ دے سکا۔

ایک اور شخص نے سوال کیا، جس دین کو تم لے کر آئے ہو یہ پہلے اسلام سے متصل ہے یا منفصل؟ شیخ نجدی نے جواب دیا، چھ سو (۶۰۰) سال تک یہ ساری امت کافر و مشرک تھی۔ اس نے کہا، پھر تو تمہارا دین منفصل ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے دین کس سے حاصل کیا؟ نجدی بولا، وحی الہام سے، جیسے حضرت خضر پر وحی الہام ہوتی تھی۔ اس شخص نے جواب دیا، اگر وحی الہام کا دروازہ کھلا ہوا ہے تو پھر تمہاری کیا خصوصیت ہے؟ ہر شخص ایک نیا دین لے کر اٹھ سکتا ہے اور وہ بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ اسے یہ دین وحی الہام سے حاصل ہوا ہے۔ اس پر شیخ نجدی لا جواب ہو گیا۔ (خلاصۃ الکلام صفحہ ۳۳۳)

اہلسنت کے سوا داعظم یعنی بڑا گروہ ہونے کے متعلق نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد لکھتے ہیں، ”ہند میں اکثر خفی، بعض شیعہ اور کمتر اہلحدیث ہیں۔“ (ترجمانِ وہابیہ ص ۵۷) ایک اور غیر مقلد مولوی احسان الہی ظہیر نے اس حقیقت کا اعتراف یوں کیا ہے، ”ابتدا میں میرا گمان تھا کہ یہ فرقہ (اہلسنت بریلوی) پاک و ہند سے باہر موجود نہیں ہوگا مگر یہ گمان زیادہ دیر قائم نہیں رہا، میں نے یہی عقائد مشرق کے آخری حصے سے مغرب کے آخری حصے تک اور افریقہ سے ایشیا تک اسلامی ممالک میں دیکھے۔“ (البریلویہ ص ۹۰)

بدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

یہ بات پہلے بیان ہو چکی کہ تمام اولیاء کرام اہلسنت و جماعت ہی میں گزرے ہیں نیز یہی وہ جماعت ہے جسے ہر دور میں سوا داعظم ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ اولیاء کرام سے مدد مانگنے کے منکرین تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے دور میں پیدا ہوئے جیسا کہ پہلے ایک سوال کے جواب میں مذکور ہوا۔ آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، ”یشک میری امت گمراہی پر ہرگز جمع نہ ہوگی، پس جب تم اختلاف دیکھو تو تم پر بڑی جماعت کی پیروی لازم ہے۔“ (متدرک للحاکم، البدایہ والنہایہ) سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ”قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود پڑھے گا۔“ (ترمذی) ایک اور حدیث شریف میں ہے، ”جس کو درود پڑھنا یاد نہ رہا اس نے جنت کا راستہ بھلا دیا۔“ (طبرانی)

ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں جلیل القدر محدث امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمن سخاوی رحمہ اللہ (م ۹۰۲ھ) نے نویں صدی ہجری میں اہلسنت و جماعت کی ایک اہم نشانی بیان کی۔ آپ فرماتے ہیں، ”اہلسنت کی علامت یہ ہے کہ وہ کثرت سے رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھتے ہیں۔“ (القول البدیع، ص ۵۲، مطبوعہ مدینہ منورہ) اب ایک طرف وہ خوش نصیب ہیں جو بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں درود و سلام کی کثرت کو ایمان کی جان سمجھتے ہیں، خلوت میں، جلوت میں، تقریروں میں، دعاؤں میں، جلسوں میں، محفلوں میں، ہلکی آواز میں، بلند آواز میں، اذان کے ساتھ بھی، جمعہ کے بعد بھی الغرض ہر طرح سے درود و سلام کو اپنے اعمالِ صالحہ کی زینت بنائے ہوئے ہیں اور دوسری طرف وہ ہیں جو فتویٰ دیتے ہیں کہ درود و سلام پڑھنا اذان سے پہلے بھی بدعت و حرام ہے، نماز جمعہ کے بعد بھی بدعت و حرام ہے، بلند آواز سے پڑھنا بھی بدعت و حرام ہے، یہ درود و سلام شرک ہے اور یہ بدعت ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ درود و سلام رکوانے کی ناپاک کوشش میں مساجد میں لڑائی جھگڑے برپا کر دیے ہیں اور اس ناپاک حرکت کو عین توحید گردانتے ہیں۔ انصاف سے کہیے کیا ایسے لوگ اہل سنت ہو سکتے ہیں؟ واللہ ہرگز نہیں۔ درود و سلام کو شرک و بدعت سمجھنے اور رکوانے کی شرانگیز بدعتِ سیئہ کا بانی امام الوہابیہ شیخ نجدی ہے۔ علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں،

”ابن عبد الوہاب درود پڑھنے سے منع کرتا تھا اور سن کر ناراض ہوتا تھا۔ جو درود پڑھتا یا اسے سخت سزا دیتا، یہاں تک کہ ایک نابینا صالح شخص جو خوش الحان مؤذن تھا، اسکو بعد اذان مینارے پر درود پڑھنے سے منع کیا۔ وہ نہ مانا اور اس نے درود پڑھا تو اسکو قتل کر دیا۔ شیخ نجدی کہتا تھا کہ زانیہ کے گھر آلاتِ موسیقی کا گناہ مینارے پر درود پڑھنے سے کم ہے (معاذ اللہ) نیز اس نے دلائل الخیرات اور درود و سلام کی دوسری کتابوں کو جلادیا۔“ (الدرر السنیہ ص ۵)

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے

نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

امام الحدیث شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں، ”دین اسلام میں سوا داعظم سے مراد اہلسنت و جماعت ہے۔“ (احیاء الممعات شرح مشکوٰۃ جلد اول)

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں، ”اہلسنت و جماعت کے مطابق اپنے عقائد کو رکھنا ضروری ہے کیونکہ قیامت کے دن اسی گروہ کو

☆ تقلید کیوں ضروری ہے؟ ☆

سوال: تقلید کے کیا معنی ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس کی تقلید کرتے تھے؟ یہ بھی ارشاد فرمائیے کہ تقلید کیوں ضروری ہے؟

جواب: تقلید کے لغوی معنی ہیں ”گردن میں پٹا ڈالنا“ اور اصطلاحی معنی ہیں ”دلیل جانے بغیر کسی کے قول و فعل کو صحیح سمجھتے ہوئے اسکی پیروی کرنا“۔ انسان زندگی کے ہر شعبے میں کسی نہ کسی کی پیروی کرتا ہے۔ پرائمری تعلیم کے حصول سے لے کر کسی بھی پیشہ یا ہنر کے درجہ کمال کو پہنچنے تک ہر کوئی اپنے اساتذہ یا اس ہنر کے ماہرین کی تقلید کرنے پر مجبور ہے۔ علم دین کا معاملہ تو اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ ہر شخص یہ اہلیت نہیں رکھتا کہ وہ قرآن و حدیث سے خود مسائل اخذ کرے کیونکہ اسکے لیے صرف عربی جاننا کافی نہیں بلکہ فقیہ و مجتہد کی شرائط کا جامع ہونا ضروری ہے۔

کسی فقیہ کے قول پر شرعی دلیل کے تحت عمل کرنا تقلید شرعی ہے جس کا فرض ہونا اس آیت کریمہ سے ثابت ہے۔

ارشاد ہوا، ”اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں“۔ (التوبہ: ۱۲۲، کنز الایمان)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص پر عالم و فقیہ بننا ضروری نہیں لہذا غیر مجتہد یا غیر عالم کو مجتہد یا عالم کی تقلید کرنی چاہیے۔

دوسری جگہ فرمایا، ”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور انکی جو تم میں سے حکم والے ہوں“۔ (النساء: ۵۹)

داری باب الاقتداء بالعلماء میں ہے، ”اولی الامر سے مراد علماء اور فقہاء ہیں“۔ امام ابو بکر بھصا رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”اولی الامر“ سے مسلمان حاکم یا فقہاء یا دونوں مراد ہیں۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۵۶)

امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اس سے مراد علماء لینا اولیٰ ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۳۲)

ثابت ہوا کہ اس آیت میں ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا نیز ان علماء و فقہاء کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کے شارح ہیں، اسی اطاعت کا نام تقلید ہے۔

صحابہ کرام براہ راست نبی کریم ﷺ سے دین کا علم حاصل کیا کرتے تھے اس لیے انہیں کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں تھی۔ آقا و مولیٰ ﷺ کے ظاہری وصال کے بعد صحابہ کرام اور تابعین بھی اپنے درمیان موجود زیادہ صاحب علم صحابی کی تقلید کیا کرتے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے تھے، ”جب تک یہ عالم تمہارے درمیان موجود ہیں، مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو“۔ (بخاری) یہی تقلید شخصی ہے جو دو صحابہ میں بھی موجود تھی۔

بخاری شریف میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تقلید کو ترجیح دی۔ اسی کا نام شخصی تقلید ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”صحابہ کرام شہروں میں پھیل گئے اور ان میں سے ہر ایک وہاں کا پیشوا بن گیا۔ مسائل پیش آنے پر لوگوں نے فتوے پوچھنا شروع کیے تو ہر صحابی نے اپنے حافظے یا استنباط سے جواب دیا یا پھر اپنی رائے سے اجتہاد کیا“۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

آقا و مولیٰ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنایا تو دریافت فرمایا، اگر تمہیں کوئی مسئلہ قرآن و سنت میں نہ ملے تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ عرض کی، میں اجتہاد کروں گا۔ ارشاد فرمایا، ”اللہ کا شکر ہے جس نے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے“۔ (ترمذی جلد اول)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جو قرآن و سنت میں نہ ملے اور نہ ہی اس بارے میں صالحین کا کوئی فیصلہ ہو تو پھر اجتہاد کیا جائے“۔ (نسائی جلد دوم)

ان احادیث مبارکہ سے قیاس و اجتہاد کا واضح ثبوت ملتا ہے نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دو صحابہ میں فقیہ صحابہ اجتہاد کیا کرتے تھے اور دوسرے لوگ ان کی تقلید بھی کرتے تھے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رقمطراز ہیں، ”صحابہ کرام سے مذاہب اربعہ کے ظہور تک لوگ بغیر انکار کیے کسی نہ کسی عالم کی ہمیشہ تقلید کرتے رہے، اگر یہ باطل ہوتا تو علماء ضرور انہیں منع کرتے“۔ مزید فرمایا، ”جاننا چاہیے کہ چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید میں بڑی مصلحت ہے اور ان سے روگردانی میں بہت بڑا خسارہ ہے“۔ (عقد الجید)

ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ”اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو“۔ (الانبیاء: ۷)

صدر الافاضل فرماتے ہیں، ”کیونکہ ناواقف کو اس سے چارہ ہی نہیں کہ واقف سے دریافت کرے اور مرضی جہل کا علاج یہی ہے کہ عالم سے سوال کرے اور اسکے حکم پر عامل

ہو۔ اس آیت سے تقلید کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔“ (خزان العرفان)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

سرکارِ دو عالم نور مجسم ﷺ نے فرمایا، بیشک ایک شخص نماز پڑھے گا، روزے رکھے گا، حج اور جہاد بھی کرے گا لیکن وہ منافق ہوگا۔ صحابہ کرام نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! وہ کس وجہ سے منافق ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ”وہ اپنے امام پر طعنہ زنی کی وجہ سے منافق ہوگا۔ عرض کی، امام کون ہے؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، فاسئلوا اہل الذکر..... الخ۔ (تفسیر دُر منثور)

اس حدیث مبارکہ سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ و دیگر ائمہ دین پر طعنہ زنی کرتے ہیں اور خود نفسِ امارہ اور شیطان ملعون کے مقلد بنے ہوئے ہیں۔

رب تعالیٰ کا ارشاد ہے، ”بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرا لیا، اور اللہ نے اسے باوصف علم کے گمراہ کیا، اور اسکے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اسکی آنکھوں پر پردہ ڈالا، تو اللہ کے بعد اسے کون راہ دکھائے، تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔“ (الچاشیہ: ۲۳)

تفسیر صاوی میں سورۃ الکہف کی آیت ۲۴ کے تحت مرقوم ہے کہ ”ان چاروں مذاہب کے علاوہ کسی اور کی تقلید جائز نہیں اگرچہ وہ بظاہر صحابہ کرام کے قول اور حدیث صحیح اور کسی آیت کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔ جو ان چاروں مذاہب سے خارج ہے وہ خود گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے، بسا اوقات یہ کفر تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ قرآن و حدیث کے ظاہری معنی مراد لینا اور انکی حقیقت کو نہ سمجھنا کفر کی جڑ ہے۔“

تفسیر احمدی میں ہے، ”اس پر اجماع ہے کہ ان چار مذاہب کے سوا کسی اور کی اتباع جائز نہیں۔“ اسی لیے تمام اکابر محدثین بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، دارمی، طحاوی وغیرہ رحمہم اللہ کسی نہ کسی امام کے مقلد ہیں۔ امام بخاری، امام ابوداؤد اور امام نسائی کا مقلد ہونا تو خود غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی نے ”الخطہ“ میں بیان کیا ہے۔

جب ایسے جلیل القدر محدثین، ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے مقلد ہیں تو پھر چند کتابیں پڑھے ہوئے اگر خود کو تقلید سے بے نیاز سمجھیں تو کیا یہ گمراہی نہیں ہے؟ غیر مقلدوں کے پیشوا مولوی محمد حسین بنالوی نے ”اشاعت السنۃ“ میں اس حقیقت کا اعتراف یوں کیا، ”پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق کی تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر کو اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔“

یہ بات آپ کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگی کہ جو شخص بھی امام اعظم کی تقلید نہیں کرتا وہ بہر حال کسی نہ کسی ”مولوی صاحب“ کی تقلید ضرور کرتا ہے تو کیا یہ بہتر نہیں کہ موجودہ پُر فتن دور کے کسی مفاد پرست مولوی صاحب کی تقلید کرنے کی بجائے اُس جلیل القدر امام اعظم کی تقلید کی جائے جس نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مبارک زمانہ میں آنکھ کھولی اور ان کی زیارت کی، اور جس کی عظمت پر اکابر ائمہ دین و محدثین کرام متفق ہیں۔

غیر مقلد عالم مولوی وحید الزماں صاحب نے اپنے ہم مسلک لوگوں سے یہی تلخ سوال کیا تھا جس کا جواب اب تک انکے ذمہ ہے، ”ہمارے اہلحدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ اور مولوی اسماعیل کو دین کا ٹھیکیدار بنا رکھا ہے۔ بھائیو! ذرا غور کرو اور انصاف کرو، جب تم نے ابو حنیفہ، شافعی کی تقلید چھوڑ دی تو ابن تیمیہ یا ابن قیم اور شوکانی، جو ان سے بہت متاخر ہیں، انکی تقلید کی کیا ضرورت؟“۔ (حیات وحید الزماں ص ۱۰۲)

صدر الشریعہ علامہ مولانا امجد علی اعظمی قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”تمام مسلمانوں سے الگ غیر مقلدوں نے ایک راہ نکالی کہ تقلید کو حرام و بدعت کہتے اور ائمہ دین کو سب و شتم سے یاد کرتے ہیں مگر حقیقت میں تقلید سے خالی نہیں۔ ائمہ دین کی تقلید تو نہیں کرتے مگر شیطان لعین کے ضرور مقلد ہیں۔ یہ لوگ قیاس کے منکر ہیں اور قیاس کا مطلقاً انکار کفر ہے۔ یہ تقلید کے منکر ہیں اور تقلید کا مطلقاً انکار کفر ہے۔ مطلق تقلید فرض ہے اور تقلید شخصی واجب ہے۔“

(بہار شریعت حصہ اول صفحہ ۵۱)

☆ فقہ حنفی دراصل حدیث ہے ☆

سوال: کیا چاروں مذاہب اہلسنت ہیں؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ”تم حدیث چھوڑ کر فقہ کی پیروی کرتے ہو جبکہ ہم حدیث کی پیروی کرتے ہیں لہذا اماموں کی فقہ چھوڑ کر حدیث کو راہنما بناؤ۔“ اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: حنفی مذہب، مالکی مذہب، شافعی مذہب اور حنبلی مذہب چاروں حق ہیں اور چاروں اہلسنت و جماعت ہیں۔ ان کے عقائد یکساں ہیں البتہ صرف اعمال میں فروغی اختلاف ہے۔ ان چاروں میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مجتہد سے اگر اجتہاد میں خطا ہو جائے پھر بھی وہ گناہگار نہیں بلکہ اس اجتہاد میں اسکی تقلید بھی صحیح ہوگی۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا،

”جب حاکم اجتہاد کرے اور صحیح کرے تو اسکو دو ثواب ہیں اور اگر اجتہاد میں خطا کرے تو اسکو ایک ثواب ہے۔“ (بخاری، مسلم)

اب پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ ”حدیث“ کسے کہتے ہیں؟ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح مشکوٰۃ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں،
 ”جمہور محدثین کے نزدیک نبی کریم ﷺ کا قول حدیثِ قولی ہے، آپ ﷺ کا فعل حدیثِ فعلی ہے اور اسی طرح جو کام آپ ﷺ کے سامنے کسی نے کیا اور آپ نے اس سے نہ روکا اور سکوت فرمایا، وہ حدیثِ تقریری ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال، افعال اور انکا کسی کام سے نہ روکنا بھی احادیث ہیں۔“

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ تابعی کا قول حدیثِ قولی ہے، اسکا فعل حدیثِ فعلی ہے اور اسکا کسی کے قول یا فعل پر سکوت فرمانا حدیثِ تقریری ہے، تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول، فعل اور سکوت بھی حدیث قرار پایا کیونکہ آپ تابعی ہیں۔ آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، تقریباً بیس صحابہ کرام کا زمانہ پایا اور ان سے ملاقات کی۔ یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے سات صحابہ کرام سے بلا واسطہ احادیث سنی ہیں۔ (مقدمہ درمختار)

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہ حنفی درحقیقت حدیث ہی ہے۔ لہذا لوگوں کا یہ کہنا کہ ”تم حدیث چھوڑ کر فقہ کی پیروی کرتے ہو“ بالکل غلط ہے۔ دراصل نبی کریم ﷺ سے شریعت اخذ کرنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کے دو طریقے ہیں۔

اول: ظاہری طریقہ یعنی اسناد کے ساتھ حدیث بیان کرنا (متواتر ہو یا غیر متواتر)،

دوم: حضور ﷺ کے اقوال و افعال و تقریر سے جو مسئلہ سمجھنا، اُسے آقا و مولیٰ ﷺ کی طرف انتساب کیے بغیر بیان کرنا۔

اول الذکر طریقے سے احادیث بیان کرنے میں صحابہ کرام بحد احتیاط کرتے بلکہ دوسروں کو بھی منع فرماتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کثرتِ روایت سے منع فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ”سوائے ان احادیث کے جن پر عمل کیا جاتا ہے دیگر احادیث کی روایت کم کر دو“۔ (فقہ الفقہ ص ۳۲ بحوالہ مصنف عبدالرزاق)

سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اس قانون پر عمل کیا اور حدیث کی پہلی قسم کی روایت میں کثرت نہ کی۔ (ایضاً ص ۳۴ بحوالہ ترمذی)
 حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ کے مفتی و مدرس مقرر ہوئے، فتوے دیا کرتے تھے مگر جب حدیث مسند متصل بیان کرتے تو پیشانی پسینہ پسینہ ہو جاتی، کاپٹے لگتے اور فرماتے، انشاء اللہ کذا الک یا لکذا ونحوہ۔ شاگردوں کا بیان ہے کہ ہم لوگ سال سال بھر تک انکے پاس روزانہ درس میں حاضر ہوتے تھے مگر کسی دن بھی قال رسول اللہ ﷺ نہ سنتے۔ انکے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ (ایضاً ص ۳۴ بحوالہ طبقات ابن سعد)

جن صحابہ کرام نے احادیث کو فتاویٰ کی صورت میں بیان کیا ان میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم زیادہ نمایاں ہیں۔ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں سیدنا عبداللہ بن مسعود و سیدنا علی رضی اللہ عنہما سے اور پھر ان سے حضرت حماد رضی اللہ عنہ نے حصولِ علم کیا۔ پھر ان کے فتاویٰ کی روشنی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ حنفی کی بنیاد رکھی جو دراصل مذکورہ جید صحابہ و تابعین کرام کی فقہ یا بالفاظ دیگر محمدی فقہ ہے۔

امام اعظم کے اجتہاد کے متعلق حافظ ابن حجر کی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ”امام ابوحنیفہ سب سے پہلے قرآن کریم میں حکم تلاش کرتے، اگر نہ ملتا تو سنتِ رسول ﷺ دیکھتے۔ اگر دونوں میں حکم نہ پاتے تو صحابہ کے اقوال سے راہنمائی لیتے۔ اگر ان اقوال میں اختلاف ہوتا تو اس قول کو لیتے جو قرآن و سنت سے زیادہ قریب ہوتا۔ اگر کسی صحابی کا قول بھی نہ ملتا تو تابعین کی طرح خود اجتہاد کرتے“۔ (الخیرات الحسان ص ۲۶)

محدث علی قاری رحمہ اللہ نے آپ کے ہمعصر جلیل القدر محدث امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کا اس بارے میں یہ قول نقل کیا ہے، ”یوں نہ کہو کہ یہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے بلکہ یوں کہو کہ یہ حدیث کی تفسیر ہے“۔ (ذیل الجواہر ج ۲ ص ۴۶۰)

علم حدیث میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی احتیاط کے متعلق امام و کبج رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۷ھ) یوں گواہی دیتے ہیں کہ ”میں نے حدیث میں جیسی احتیاط امام ابوحنیفہ کے یہاں دیکھی وہ کسی دوسرے میں نہ پائی“۔ (مناقب الامام الاعظم ج ۱ ص ۱۹۷)
 امام اعظم علم و فضل کے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود اپنی رائے کو حرفِ آخر قرار نہیں دیتے تھے۔ دین میں احتیاط کے پیش نظر ہر مسئلہ چالیس جید فقہاء پر مشتمل مجلس میں پیش ہوتا۔

بقول امام موفق بن احمد کی رحمہ اللہ، ”دلائل سنے اور سنائے جاتے، بعض اوقات مہینہ یا زیادہ عرصہ بحث جاری رہتی۔ جب مسئلے پر اتفاق ہو جاتا تو امام ابو یوسف اسے اصول میں لکھ لیتے، اس طرح تمام اصول مرتب ہوئے“۔ (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۳۳)

محدث علی قاری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، ”انہوں نے تراوی (۸۳) ہزار مسائل طے فرمائے جن میں سے اڑتیس ہزار کا تعلق عبادات سے اور باقی مسائل کا تعلق معاملات سے ہے“۔ (ذیل الجواہر ج ۲ ص ۴۷۲)

جو امام اعظم سے بغض و عناد کے باعث فقہ حنفی سے چڑتے ہیں انکی ہدایت کے لیے ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔ محدث کبیر، یزید بن ہارون رحمہ اللہ درس کے دوران امام اعظم کے ارشادات سنارہے تھے کہ کسی نے کہا، ہمیں حدیثیں سنائیے اور لوگوں کی باتیں نہ کیجیے۔

آپ نے اس سے فرمایا، ”تمہارا مقصد صرف حدیثیں سننا اور جمع کرنا ہے، اگر تمہیں علم حاصل کرنا ہوتا تو تم حدیث کی تفسیر اور معانی معلوم کرتے اور امام ابوحنیفہ کی کتابیں اور انکے اقوال دیکھتے جو تمہارے لیے حدیث کی تفسیر کرتے ہیں“۔ پھر آپ نے اس کو ڈانٹ کر مجلس سے نکال دیا۔ (مناقب موفق جلد دوم صفحہ ۴۸)

بعض نا سمجھ حاسدین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ”فقہ حنفی کی تائید میں جو احادیث پیش کی جاتی ہیں وہ ضعیف ہیں۔“

حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض علم حدیث سے جہالت پر مبنی ہے۔ صحابہ کرام کے زمانے میں کوئی حدیث بھی ضعیف، معلل یا شاذ وغیرہ نہیں تھی بلکہ سب صحیح کے درجے میں تھیں کیونکہ حدیث کا ضعیف ہونا راوی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ امام اعظم تابعی ہیں اس لیے آپ کو ایک دو واسطوں سے یہ احادیث ملیں۔

”راوی کی وجہ سے ان احادیث کو ضعیف کہنا درست نہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ بعد والوں کے پاس یہ احادیث کئی واسطوں سے پہنچی ہیں جبکہ امام اعظم کے پاس وہ احادیث براہ راست کسی صحابی سے پہنچی ہیں یا کسی ایک تابعی کے واسطے سے۔ اور امام اعظم کا یہ بھی ارشاد ہے، ”جو حدیث صحیح ہے وہی میرا مذہب ہے۔“ تو پھر امام اعظم کے زمانہ میں ان احادیث کو ضعیف کیسے کہا جاسکتا ہے۔“ (مقدمہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۸۰)

امام اعظم کی فضیلت میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ میں نے آقا و مولیٰ ﷺ کا خواب میں دیدار کیا تو بارگاہ رسالت میں عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ ارشاد فرمایا، ”ابو حنیفہ کے علم میں۔“

امام اعظم کی عظمت کی گواہی، جرح و تعدیل کے نامور امام محدث یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کی زبانی سنئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ”جلیل القدر عالم چار ہیں۔ سفیان ثوری، ابو حنیفہ، مالک اور اوزاعی۔“ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۱۶) امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بہت پیاری بات کہی، فرمایا ”تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کی اولاد ہیں۔“ (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۳۳۶)

يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ

”اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت اور تیرے محبوب بندوں کی محبت مانگتا ہوں اور ایسے عمل کی محبت مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔“ (ترمذی)

اٰمِنْ بِحَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَالتَّسْلِیْمِ



WWW.NAFSEISLAM.COM

ہے کہ بعد والوں کے پاس یہ احادیث کئی واسطوں سے پہنچی ہیں جبکہ امام اعظم کے پاس وہ احادیث براہ راست کسی صحابی سے پہنچی ہیں یا کسی ایک تابعی کے واسطے سے۔ اور امام اعظم کا یہ بھی ارشاد ہے، ”جو حدیث صحیح ہے وہی میرا مذہب ہے۔“ تو پھر امام اعظم کے زمانہ میں ان احادیث کو ضعیف کیسے کہا جاسکتا ہے۔“ (مقدمہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۸۰)

امام اعظم کی فضیلت میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف، کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ میں نے آقا و مولیٰ ﷺ کا خواب میں دیدار کیا تو بارگاہ رسالت میں عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ ارشاد فرمایا، ”ابو حنیفہ کے علم میں۔“

امام اعظم کی عظمت کی گواہی، جرح و تعدیل کے نامور امام محدث یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کی زبانی سنئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ”جلیل القدر عالم چار ہیں۔ سفیان ثوری، ابو حنیفہ، مالک اور اوزاعی۔“ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۱۶) امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بہت پیاری بات کہی، فرمایا ”تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کی اولاد ہیں۔“ (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۳۳۶)

